مطالعۂ سیرت صلی اللہ علیہ وسلم

21 ویں صدی میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان

ادارہ ثقافت اسلامیہ
Institute of Islamic Culture
Lahore - Pakistan

Marfat.com

مطالعہ سیرت صلی اللہ علیہ وسلم

اکیسویں صدی میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

۲۔کلب روڈ، لاہور

فون:36305920، ای میل:iic-lhr@hotmail.com

Marfat.com

297-9921
15
1434/12

جملہ حقوق محفوظ ہیں

عنوان:	مطالعۂ سیرت ﷺ اکیسویں صدی میں
مصنف:	ڈاکٹر محمد عارف خان
ناشر:	قاضی جاوید ناظم، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ
اشاعت:	2016ء
مطبع:	وقاص جاوید پریس، لاہور
تعداد:	500
قیمت:	300 روپے

یہ کتاب اکادمی ادبیات پاکستان اور حکومتِ پنجاب کے محکمہ اطلاعات و ثقافت کے تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

Marfat.com

انتساب

یہ کتاب

پیرومرشد سید محمد عبداللہ شاہ قادری چشتی

والد محترم محمد وراثت خان

والدہ محترمہ

کی دُعاؤں کا ثمر ہے

اور

زوجہ محترمہ اور بچوں جن کا وقت لے کر

یہ کام مکمل کیا ہے

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

مقالہ نمبر:۱	فہم سیرت کی نئی راہیں ___ عصر جدید کا مطالبہ	۱۳
مقالہ نمبر:۲	اوّلیں اعلان نبوت اور عصری مطالبہ	۳۸
مقالہ نمبر:۳	اعلان نبوت کا مرحلہ ہجرت اور اُس کی عصری اہمیت	۵۱
مقالہ نمبر:۴	یثرب کی بستی، میثاق نبوی ﷺ اور دورِ حاضر کا معاہدہ عمرانی	۷۲
مقالہ نمبر:۵	نبوتِ محمد ﷺ ___ مقصدیت کے نصب العینی وعصری تعینات	۱۰۴
مقالہ نمبر:۶	نبوتِ محمد ﷺ، سماجی تربیت کے تعینات اور عصری بے اطمینانی	۱۳۶

Marfat.com

Marfat.com

مقدمہ:

میرا مقدمہ شعورِ نبوت کا ''شعور'' ہے

میری نسبت محمد رسول ﷺ سے ہے۔ اس ناطے ہی میں ایک اُمتی ہوں۔ اُمتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں اسی آخری تحریکِ انسانیت کا رکن ہوں جس کے بانی سرکارِ مدینہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ رکن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ ذمہ داریاں مجھ پر عائد ہوتی ہیں۔ محض دعویٰ و تبلیغ کافی نہیں ہے، ایک کردار مطلوب ہے جو انفرادیت سے اجتماعیت میں ڈھل کر دنیا کے دوسرے انسانوں کو نظر آئے۔ دنیا کے دوسرے انسانوں کو آج مسلمانوں کا کردار و شعور قطعاً معیاری نظر نہیں آتا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمیں بھی یہ تسلیم ہے اور ہم خود پشیمان ہیں کہ اُمت کا کردار انجانے میں کھوکھلا کیسے ہو گیا اور ہمارا شعور جمود کا شکار ہے اور یہ جمود ٹوٹنے کے بجائے مزید گہرا ہوتا جا رہا ہے۔

یہ محض میری سوچ نہیں ہے، ہر دردِ دل رکھنے والے اُمتی کی سوچ ہے اور وہ اس جمود سے نکلنے کی تدابیر پر کمر بستہ رہتا ہے۔ کوشش انفرادی ہوتی ہے جو اجتماعی کردار کا حصہ بنتی ہے۔ آج کے دور میں اجتماعی فعالیت ریاستی سطح پر ہوتی ہے اور ایک حد تک پہلے بھی طریقہ یہی تھا۔ آج کی مسلم ریاستیں زیادہ تر غیر متوقع اور ہنگامی حالت میں معرضِ وجود میں آئیں، آسان بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ یہ سب دوسری جنگ عظیم کا ردِ عمل تھا۔ ابھی تک کسی مسلم ریاست کو یہ شعوری سطح نصیب نہ ہو سکی کہ اُس کی ذمہ داری میں اُمتی ہونے کی نسبت سے ''شعورِ نبوت'' کی ترقی و ترویج ہے نا کہ مسلمانوں پر چڑھائی کر کے انہیں مطیع و باجگزار بنانا ہے۔ اپنے آپ پر عدم اعتماد کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہر مسلم ریاست میں گروہوں اور جماعتوں کے نام کے ساتھ اسلام یا اسلامی لگا ہے اور دوسرے گروہوں اور جماعتوں کو دوسرے خانے میں رکھ کر غیر اسلامی یا سیکولرازم کے بت خانے کا نام دیا جاتا ہے اور ہم اُمت کو خود تقسیم کر کے دعوتِ اتحاد کا ڈرامہ رچائے بیٹھے ہیں۔

اُمت کا جو رکن ہے، اُس پر اعتماد کی ضرورت ہے۔ وہ ''شعورِ نبوت'' کا سفیر ہے۔ خدا نے

Marfat.com

اُسے جوسوچ وسمجھ کی توفیق بخشی ہے، اُس کے مطابق وہ ''شعورِ نبوت'' کی فکر آگے بڑھانے پر کمر بستہ رہتا ہے۔ ہر کسی کو ریاستی قوانین کی پاسداری اور عالمی انسانی حقوق کے منشور کے تحت احترام کی ضرورت ہے۔ آگے وہی شعور بڑھے گا جو منشاء خداوندی کے تحت ہوگا اور وہی، ''شعورِ نبوت'' ہوگا۔

''مطالعہ سیرت ﷺ اور اکیسویں صدی'' کا عنوان اُمت وغیر اُمت کے اذہان کو متوجہ کرنے کی ایک معمولی سی کوشش ہے کہ انبیاء میں سردارِ انبیاء انبیاء میں آخری نبی، وحی میں آخری وحی کے وصول کنندہ، فریضہ نبوت کی فیصلہ کن کڑی، کارِ نبوت کے آخری رہبر اور شعورِ نبوت کے رواں کردار کو محض درخشاں ماضی تک نہ رکھا جائے، تاریخ کا ماورائی کردار ہی باور نہ کیا جائے محض مسلمانوں کا نبی ہی نہ باور کیا جائے۔ آگے بڑھ کر انسانیت کے اس عظیم کردار کو انسانیت کی سطح پر بیان کیا جائے اور یہ اُمت کے حکماء کی ذمہ داری ہے۔ علماء کا کام بیان ہے۔ اُس سے اخذ واستخراج ہمیشہ سے حکماء یا مجتہدین کے ذمہ رہا ہے۔

''شعورِ نبوت'' وہ بنیادی نقطہ ہے جسے محور بنا کر ہم اگر آگے بڑھیں تو تمام انبیاء ومذاہب کے پیروکاروں کو مثبت پیغام دے سکتے ہیں اور شعورِ نبوت میں ارتقاء کی فیصلہ کن کڑی محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی افادیت اور ہمہ گیری سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ اکیسویں صدی میں انسان مادی ترقی کے نصف النہار پر ہے۔ اُسے مزید آگے بڑھنے کے لیے اعتماد واطمینان کی ضرورت ہے اور میرا یہ یقین ہے کہ سیرتِ رسول ﷺ کو اکیسوی صدی میں بے اعتمادی وبے اطمینانی کو دور کرنے کا موثر ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ یہ ذمہ داری بہر حال ہماری ہے اور ہمیں ہر حال میں اپنے آپ پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔

احقر نے آگے کی سطور (۱۸- جون ۲۰۱۳ء) روضہ رسول ﷺ کے قریب بیٹھ کر لکھی ہیں۔ کیا شانِ محمد ﷺ ہے۔ انسانون کا ایک انبوہ ہے جو دنیا کے ہر کونے سے اُٹھتا ہے اور والہانہ عقیدت ومحبت سے حاضر ہوتا ہے۔ نور کی پھیلی ہوئی خوشبو سے اپنا دامن بھرتا ہے انسانوں کا سمندر اُمڈتا چلا آتا ہے۔ دامن مراد بھرتا ہے۔ جگہ کا دامن تنگ سے تنگ تر ہوتا جا رہا ہے اور محبوب خدا ﷺ کا شعورِ نبوت وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

معاملہ ایک دن یا ایک رات کا نہیں۔ کوئی ساعت ایسی گزرتی نہیں کہ اس جہان کے ہر کونے

Marfat.com

سے ہر رنگ، ہر زبان اور ہر علاقے سے انسان دربارِ نبوی و مسجد نبوی ﷺ میں موجود نہ ہوں اور آخری نبوت کی آخری دستاویزِ شعور یعنی قرآن حکیم کی تلاوت نہ ہو رہی ہو۔

یہ سب کچھ انتہائی درجہ میں غیر معمولی ہے۔ایمان وعقیدت ایک جوہر ہے۔شعور اسی جوہر کا فیض ہے۔جس طرح فیض، فیض عام ہے۔اسی طرح شعور بھی ہر سو معرض ارتقاء میں ہے۔آپ ﷺ کا فیض، فیض عام ہے۔ ہر رنگ کے انسان کے لیے ہے۔ ہر زبان کے انسان کے لیے ہے۔ ہر عقیدے اور ہر ایمان کے لیے ہے۔فیض جو ''یاایھاالناس'' (قرآن) کے لیے وہ عام ہے اور وہی اصلی جوہر ہے۔فیض جو ''یا ایھاالذین آمنو'' کے لیے ہے۔وہ آپ ﷺ کی اُمت وحکمت سے متعلق ہے۔یہ فیض ہے جو آپ ﷺ کی اُمت کے ذریعے جاری رہے گا۔

قرآن مجید کی تلاوت روضہ اقدس میں ہر لمحہ جاری رہتی ہے۔عقیدت ومحبت سے لبریز اور جالیوں سے فرطِ عقیدت ومسرت سے لپٹ لپٹ کر کچھ پاتے ہیں۔ بہت سے خاموش روحانیت کے آسمان پر نورِ نبوت سے جُڑے ہوتے ہیں۔اُن کی ادائیں اپنی، اُن کی رسائی اپنی، اُن کے درجات اپنے اور اُن کی دنیا اپنی ہے۔عشقِ محمد ﷺ ایک ایسا جوہر ہے جو کائنات کے اسرار کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ تلاوت محض روضہ اقدس میں نہیں ہوتی بلکہ دنیا میں کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں تلاوت نہ ہوتی ہو۔ سیرت طیبہ ﷺ کی عشق رسا خوشبو ہر مسلمان اور ہر انسان میں اپنے انداز کی ہوتی ہے۔ جو عشق محمد مصطفےٰ ﷺ میں آگے بڑھ جاتے ہیں وہ زمانے کے علوم سے بہت بلند ہو جاتے ہیں۔وہ قانون، عقل اور سائنس سے بہت اوپر اُٹھ جاتے ہیں۔یہ معاملہ علم اور عشق کا ہے۔

جہاں تک قانون وفقہ، عقل اور سائنس کا تعلق ہے۔ یہ عام انسان کی راہنمائی کرتے ہیں تاکہ ساری کائنات جاننے کے لیے وہ بھی اپنے شعور کے سفر میں آگے بڑھیں۔ حصولِ شعور مقصد ہے۔ اس کے حصول کی مختلف جہتیں اور مختلف راستے ہو سکتے ہیں۔ نبی کو یکدم سارا شعور ودیعت ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی محمد مصطفےٰ ﷺ کو عطا ہوا۔امتیازی بات کو نوٹ کرنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ شعور نبوت کے ارتقاء کی آخری نبوی کڑی ہیں۔نبوت کو یکدم شعور نصیب ہوتا ہے مگر اولیاء یا طریقہ سلوک کے مسافروں کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔اُنہیں مسلسل محنت سے گزرنا پڑتا ہے۔اسی طرح اہل عقل کو غور وفکر کی کئی منازل

Marfat.com

طے کرنی پڑتی ہیں اور سائنس باریک بینی سے جزواً جزواً تجربات کے سہارے آگے بڑھی ہے۔ منزل سب کی شعور کا حصول ہے شعور جسے یکدم نصیب ہوتا ہے وہ ایک خاص نظم وضبط اور حکمت عملی سے راہنمائی کرتا ہے۔ اُمت محمد ﷺ اُسی نظم وضبط اور حکمت عملی سے اسوہ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو کر کامیاب ہو سکتی ہے۔

آج بظاہر اُمت اقوام عالم میں کئی حوالوں سے نمایاں مقام نہیں رکھتی ہے۔ یہ درست ہے مگر کیا معیار و میزان وہی ہے جس پر دنیا ہمارا مقام متعین کرتی ہے یا ہمارے تجزیہ کار اپنا مقام تعین کرتے ہیں۔ معیار و میزان وقت کے ساتھ بدلتے ہیں معیار و میزان ایک صدی یا چند صدیوں تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ آگے پیچھے اور کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔

ہر انسان آگے بڑھتا ہے اور بہت آگے بڑھا بھی ہے۔ ہر قوم یا عقیدے کے مکین آگے بڑھے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ بحیثیت مجموعی انسان شعوری طور پر آگے بڑھا ہے۔ آپ ﷺ کی آمد اور پھر آخری نبوت کا اعلان دراصل انسان کے بلند شعور کی نشاندہی تھی اور ہے۔

انسان کئی چیزوں کا مرکب ہے۔ احسن تقویم ہے اور اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ اس میں روح امر ربی ہے اور میں نے اسے اپنی طرز پر بنایا ہے۔ انسان کی عظمت و رفعت کا اعلان ہے۔ البتہ انسان جن چیزوں کا مرکب ہے۔ اُن میں مرکز دل وقلب ہے۔ روح یہیں بستی ہے۔ راز یہیں پنہاں ہے۔ دل کی حرکت زندگی کی حرکت ہے اور انسان متحرک ہے۔ انسان کی یہ حرکت شعور کے حصول کے لیے وقف ہے۔

انسان ایک آلہ الٰہی (Device) ہے۔ اس کی حرکت کی کئی جہتیں (Dimentions) ہیں۔ انسان کسی شئے سے مس / چھوتا ہے تو اُسے ادنیٰ درجے کی معلومات ملتی ہیں۔ یہی عمل آنکھوں ذریعے ہوتا ہے۔ یہی عمل کانوں، ناک اور منہ کے ذریعے ہوتا ہے۔ ان سب کو اشارے تو قلب سے ملتے ہیں۔ اس کے بعد انسانی جسم میں نصب دوسرا بڑا محرک دماغ اپنا کام شروع کرتا ہے۔ دماغ انباء کی یکدم حاصل ہونے والی معلومات کو بھی تفکر میں جگہ دیتا ہے۔ وہ سونگھنے، چکھنے، دیکھنے، سننے اور چھونے کے عمل سے حاصل فکر کو بھی جگہ دیتا ہے اور پھر عقل کی گزرگاہوں و پگڈنڈیوں سے گزرتا ہے اور اپنی

Marfat.com

استعداد کے مطابق ایک شعوری جہت سے پردہ اُٹھاتا ہے۔شعور کا یہ حاصل انفرادی واجتماعی دونوں طرح کا ہوتا ہے۔

انسان تب بھی سوچتا تھا اور راز حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتا تھا۔اپنی ذات کی حقیقت کے ساتھ کائنات کی حقیقت کو پانے کی جستجو کرتا تھا۔اُس شعور و جستجو کو ترقی یافتہ صورت تب ظہور پذیر ہوتی ہے جب باری تعالیٰ اپنی بارگاہ سے نبوت کا آخری پیغام بھیج دیتا ہے۔یہ سابقہ شعور و ترقی کی ایک تکمیلی کڑی تھی۔اللہ تعالیٰ نے آخری نبی بھی بھیجا اور آخری پیغام بھی۔یہ انسان پر اعتماد کا اظہار تھا۔یہیں سے انسان کا نیا کردار شروع ہوتا ہے۔آخری نبوت کا اعلان انسان کو فیصلہ کن اختیار کے ساتھ فیصلہ کن اعتماد بھی دیتا ہے شعور کا ارتقاء بھی یہ فیصلہ کن موڑ تھا۔

محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت کا منظر، اُن کی عملی زندگی، اُن کی فکری زندگی، اُن کا وقت، اُن کی مشکلات، مستقبل کو آخری حد تک دیکھنا، قرآن کو انسان کی مستقل دستاویز قرار دینا، منشور انسانیت باور کرنا، یہ ساری باتیں تب بھی شعوری ارتقاء سے الگ نہ تھیں، گزشتہ ۱۴ صدیوں میں الگ نہ تھیں اور آج بھی الگ نہیں ہیں۔جو لوگ محمد ﷺ کی تحریک سے آگاہ نہیں ہیں۔یا وہ آج کی شعوری ترقی کے ساتھ اسے نہیں جوڑتے تو وجہ پیغام کی رسائی کی کمی ہے۔آج نہیں تو کل یہ باور ہو جائے گا۔البتہ یہ مسلماں کا مسئلہ ضرور ہے کہ ہر دم انسانی شعور کو آپ ﷺ کی ذات اور قرآن سے جوڑے رکھیں تا کہ گمراہ نہ ہوں۔ بہترین اُمت کا لقب اسی لئے ملا ہے کہ انسان کی شعوری ترقی میں مسلمان الوہی کردار کو نظر انداز نہ کریں۔

گزشتہ پندرہ سو سالوں میں انسان نے شعور کی بلند و بالا حدوں کو چھوا ہے خصوصاً گزشتہ چند صدیوں میں انسان کی عقل بھی دنگ رہ گئی ہے کہ دنیا کا رنگ کیسے تبدیل ہو گیا ہے۔انسان کتنا بدل گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ آلہ (Device) حیران کن طور حرکت کر رہا ہے۔کبھی کبھی تو وہ یہ سوچتا ہے کہ اُس نے راز حقیقت دریافت کر لیا ہے۔یہی وہ تاریخ کا معصوم کردار ہے جسے پہلے بھی یہ گمان گزرا ہے مگر منزلیں اور بڑھ گئیں ستاروں کا ایک جہاں اُبھرتا ہے۔اس سے آگے ابھی اور بڑے جہاں ہیں۔انسان ہی بالآخران جہانوں کو پائے گا مگر ابھی کہ فریاد کے دن بہت باقی ہیں۔انسان کسی بڑی منزل پر تو ہے مگر

Marfat.com

ابھی کئی اور امتحان باقی ہیں۔

انسان نے نبوی پیغام کو پایا، جانچا، دیکھا اور اسے مذہب کا نام دیا۔ انسان نے قلب کی دنیا سے دیکھا تو اُسے طریقت کا نام دیا۔ عقل کو بڑا اور فیصلہ کن آلہ انسان قرار دے کر ہر شئے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا، نئی تنظیم علم دینے کا سوچا اور حکمت عملی مرتب کرنے کی سعی کی تو اسے فلسفہ کا نام دیا گیا اور انسان نے اپنی حسوں کو ایک نظم سے استعمال کرنا سیکھا تو دنیا بدل ڈالی۔ اس کو سائنس کا نام دیا گیا اور یہ ابھی کا، تازہ دم دور ہے۔ اس تازہ دم دور کا مسئلہ ''اطمینان'' ہے اکیسویں صدی کا مسئلہ انسان کو بے اطمینانی سے نکالنا ہے۔ ایسا نہ ہو تو پھر یہ دنیا جنگل بن جائے گی۔ انسان محض حیوان ناطق کی ابتدائی سطح پر چلا جائے گا۔ اس المیہ سے بچنے اور ہزاروں صدیوں کا حاصل ضائع ہونے سے بچانے کے لیے بالآخر انسان کو ہی ''اطمینان'' کی راہیں تلاش کرنی ہوں گی۔ ''اطمینان'' کی راہ ہمیشہ سے پیغمبرانہ راہوں سے ملی ہے اور اکیسویں صدی میں ''اطمینان'' محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغام سے ہی میسر آئے گا۔ انشاءاللہ!

آخر پر مجھے پروفیسر غازی علم الدین کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے انتہائی عرق ریزی سے پروف کو دیکھا۔ کمپوزر چودھری عمران بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے بھرپور تعاون کیا۔ شکریہ!

پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان

فون نمبر: 0344-5112-434

ای میل: Prof.Dr.makhan@gmail.com

Marfat.com

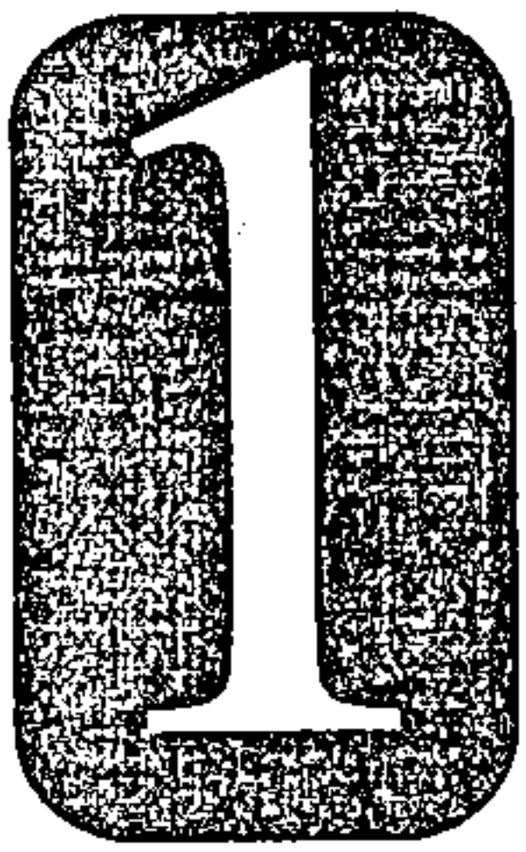

فہم سیرت کی نئی راہیں ___ عصر جدید کا مطالبہ

- بحیثیت اُمت ہماری پہچان محمد ﷺ ہیں۔
- بحیثیت مسلمان ہماری وفاداری محمد ﷺ سے ہے۔
- بحیثیت محبّ ہمارا عشق محمد ﷺ سے ہے۔
- بحیثیت انسان ہمارا محرک ذات محمد ﷺ ہے۔

ہمارے کردار کی پختگی اور نمو کے یہ بنیادی عناصر ہیں مگر عصر جدید کا انسان ہمارے اس نصب العین سے ناواقف ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا جدید کردار دراصل ہماری پہچان، ہماری وفاداری اور ہمارے عشق کا عکاس نہیں ہے اور ہمارے کردار کا عملی مظاہرہ دنیا کے معیار و میزان سے بہت پست ہے کیونکہ ہماری حرکت نصب العین سے عاری ہے۔ اُمتی کہلانے والی موجودہ قومیں اور گروہ دنیا کے معیار و میزان کی روشنی میں بے سمت و بے نتیجہ زندگی گذار رہے ہیں۔ مسلمان جو کہلاتے ہیں بدقسمتی سے اکثریت ایسی ہے کہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ اسلام کیا ہے؟ عقائد و عبادات کو اسلام سمجھ لیا گیا ہے اور معاملات کو کردار سے الگ کر لیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں نہ عقائد و عبادات سے کوئی نتیجہ آ رہا ہے اور نہ معاملات سے۔

Marfat.com

۔ہمارے عقیدے کی راہ گذر محمد ﷺ ہیں۔اُسے ایمانیات کہتے ہیں۔

۔ہماری عبادت کی راہ گذر محمد ﷺ ہیں۔اُسے ارکانیات کہتے ہیں۔

۔ہمارے معاملات کی راہ گذر محمد ﷺ ہیں۔اُسے عبادات کہتے ہیں۔

عقیدہ وعبادت انسان کی باطنی وداخلی تربیت کا بندوبست ہے۔داخلی تربیت اور باطنی طاقت معاملات کو حل کرنے کی قوت، نظر اور سلیقہ عطا کرتے ہیں۔مسلمانوں کے معاملات بے ہنگم و بے نتیجہ ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی داخلی وباطنی تربیت میں کہیں فقدان ہے۔انفرادی لحاظ سے عقیدے کا تذکرہ ہم بہت دعویٰ سے کرتے ہیں اور اس دعویٰ کے ساتھ کہہ کر یا بغیر کہے اپنے دوسرے مسلمان کے عقیدہ کو نادرست باور کراتے ہیں۔اجتماعی طور پر بحیثیت اُمت یا قومیتی ممالک ہمارا شمار تیسری دنیا یا غیر مہذب وناخواندہ اقوام میں ہوتا ہے۔یہاں یہ سوال جنم لیتا ہے:۔

___ کہ کیا ہمارا عقیدہ نادرست ہے۔

___ کہ کیا ہماری عبادت صحیح نہیں ہے۔

___ اور کیا اس طرح ہمارے معاملات غیر موثر و بے سمت ہیں۔

عقیدہ، عقیدہ ہے۔انسان کی وابستگی عقائد سے شدید تر ہوتی ہے۔عقیدہ کو غلط یا صحیح میں زیر بحث لاکر ہم عمل کو کمزور کر لیتے ہیں۔جو مسلمان نہیں اُس کا بھی ایک مضبوط عقیدہ ہوتا ہے اور جو مسلمان ہے، عقیدہ اُس کا بھی مضبوط ہوتا ہے۔دوسری بات عقیدہ کے مطابق عمل سے ہے۔جو مسلمان نہیں ہے، وہ بھی ایک عقیدہ کے مطابق زندگی گذارتا ہے اور جو مسلمان ہے، وہ بھی اپنے عقیدہ کے مطابق ارکانیات کی بجا آوری کرتا ہے۔یہاں تک کچھ فرق نہیں، دونوں عقائد سے وابستہ انسان عمل کرتے ہیں۔فرق جو نمایاں ہوتا ہے وہ نتیجہ کا ہے۔وہ یہ ہے کہ معاملات زندگی میں آپ انفرادی واجتماعی اور قومی وبین الاقوامی طور پر کتنے مثبت ہیں اور کتنے منفی ہیں۔بین الاقوامی سطح پر معیار ومیزان کے جو پیمانے موجود ہیں وہ ایک آئینہ ہے جن میں آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔(۱) یہ کہہ کر فرار درست نہیں ہے کہ آج کا معیار ومیزان ہمارا نہیں۔معیار ومیزان ہمیشہ انسان کی عظمت وطاقت سے بروئے کار آتا ہے۔تیسری دنیا پستی کا معیار ہے جسے ختم کرنا ہے۔معاملات کو عمومی طور پر تین میدانوں میں زیر بحث

Marfat.com

لایا جاتا ہے:۔

___ سیاسی میدان

___ معاشی میدان

___ معاشرتی میدان

تفصیل میں جائے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان کہلانے والے تینوں میدانوں میں بری طرح پٹ رہے ہیں۔ بین الاقوامی معیار انسان دوستی اور انسان دشمنی کا ہے جبکہ مسلم دنیا میں صورت حال یہ ہے:۔

کہ ہمارا سیاسی رویہ انسان دوستی کے بجائے انسان دشمنی پر ہے۔

کہ ہمارا معاشی طرز عمل انسان کش عمل سے دوچار ہے۔

کہ ہمارا معاشرتی ڈھانچہ تعلیم، صحت اور انصاف میں انسان دشمن پالیسوں پر استوار ہے۔

اب جہاں تک اُن انسانوں اور قوموں کا تعلق ہے جو مسلمان نہیں کہلاتے اور اُمت مسلمہ میں داخل نہیں ہیں۔

___ وہ سیاسی میدان میں بہت حد تک انسان دوست ہیں۔

___ وہ معاشی میدان میں بہت حد تک انسان دوست ہیں۔

___ وہ معاشرتی میدان میں بہت حد تک انسان دوست ہیں۔

یہ موازنہ ہمیں اچھا لگے یا نہ لگے بین الاقوامی اعداد وشمار اس کی تائید کرتے ہیں۔تمام مسلمان ممالک کو تیسری دنیا میں ڈال رکھا ہے۔ مسلم دنیا کسی میدان میں سلیقہ نہیں دکھا رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ غیر مسلم دنیا کا فلسفہ انسان زیادہ تر اُن کی قومیتی حدود پر محیط ہے بہر حال ان حدود کے اندر انسان دوستی نے بہت سی غیر مسلم اقوام کو نمایاں کر رکھا ہے۔جبکہ:

___ بحیثیت مسلمان ہماری وفاداری، بے وفائی میں بدل چکی ہے۔

___ بحیثیت محبّ ہمارا عشق بے مروتی میں بدل چکا ہے۔

___ بحیثیت انسان ہم اپنا محرک ونصب العین کھو چکے ہیں۔

Marfat.com

یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے رویے منفی درجوں میں بہت نیچے آ گئے ہیں۔ رویے عقیدہ وعبادت سے بنتے ہیں اور زندگی کے معاملات میں نمو پذیر ہوتے ہیں، اجاگر ہوتے ہیں، پروان چڑھتے ہیں اور پھر سیاسی، معاشی اور معاشرتی میدانوں میں انسان دوست رویوں کی مثال بن کر آگے بڑھتے ہیں۔ مسلمانوں کا رویہ کیوں منفی ہوتا گیا۔ سیکڑوں توجیہات وتشریحات ممکن ہیں مگر اٹل حقیقت یہی ہے کہ مسلمانوں کا انفرادی رویہ، اجتماعی رویہ اور قومی رویہ منفی ہے۔ انسان دوست نہیں ہے بلکہ انسان دشمن ہے۔ مسلمانوں کا رویہ انسان دوست کیسے بنے؟ یہی سوال ہے جس کا جواب ہماری بے وفائی میں گم ہوگیا ہے۔

—— عقیدہ ہمارا درست ہے۔ اُس کا اثر ہمارے رویوں کو انسان دوست نہیں بناتا۔

—— عبادت ہماری درست ہے۔ اُس کا اثر ہمارے قول وفعل کو مربوط نہیں کرتا۔

—— معاملات ہمارے درست نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارا شمار تیسری دنیا میں ہوتا ہے۔

ہمارا عقیدہ اور عبادت ہمارے معاملات پر اثر نہیں ڈالتے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاملات درست نہیں ہیں۔ یہ سمجھنا درکار ہے کہ ان تینوں کا تعلق درست نہ ہوگا تو نتائج نہیں آئیں گے۔

مسئلہ کا حل محض دنیاوی عقائد واقدامات میں موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں کو دوبارہ آج، ابھی اور اسی ''وقت'' اُس جوہر کی تلاش کرنا ہوگی جو مسلمانوں کے خون میں روح کی چمک کی طرح دوڑے۔ وہ جوہر ہادی آخر محمد ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ محمد ﷺ نے دعویٰ کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے پیغمبر منتخب کرلیا ہے اور مجھ پر وحی آتی ہے۔ اس بات کو:۔

—— اُس ''وقت'' کے انسان نے بھی مانا۔

—— اُس ''وقت'' کے بعد کے انسان نے بھی مانا۔

—— آج کا جدید انسان بھی مانتا ہے۔

مستقبل کا جدید تر انسان بھی مانے گا۔

گویا زمان ومکان محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے سے انکاری نہیں ہیں۔ وقت، زمانہ، مسلم انسان یا غیر مسلم انسان کی قید نہیں ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کا اثاثہ آپ ﷺ کا فرمان اور اسوہ حسنہ

Marfat.com

ہے۔عقیدہ خدا، عقیدہ رسالت ، عقیدہ آخرت اور دوسرے عقائد محض اس لیے مسلمانوں کے عقیدہ کا حصہ بنے کہ آپ ﷺ نے بتایا۔قرآن تب ہی قرآن بنا جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن وحی وکلام الٰہی ہے۔یادرہے یہ قرآن اللہ تعالیٰ براہ راست ہر سینے میں اتار سکنے پر قدرت رکھتا ہے۔ہر گھر میں آج کی طرح بلکہ اس سے بھی خوبصورت اشاعت کے ساتھ پہنچا سکنے پر قادر ہے۔مگر خدائی نظام ومنشاء پیغمبرانہ انتظام اور وحی کے ذریعے عمل پر کاربند ہوا گویا خدا اورانسانوں کے درمیان پیغمبرانہ نظام کی اہمیت کلیدی ہے اور محمد ﷺ کو نبوت کے نظام کے آخری نبی چن کر باری تعالیٰ نے ایسا مرکز ہدایت قرار دے دیا ہے جو بعد از نبوت اور بعد از وصال بھی انسانوں کی راہنمائی کا بندوبست کرتا رہے گا۔

مسلمانوں کا فہم سیرت ﷺ محض عرب مسلمانوں کے اُس وقت کے حالات کے پس منظر میں ایک روایت کے طور پر لیا جارہا ہے۔تبدیلیاں جو عصر جدید میں آئی ہیں ہمارا مسئلہ اُن تبدیلیوں کے پس منظر میں سیرت ﷺ کا مطالعہ ہے۔تبدیلیاں جو عصر جدید میں ہمارے سامنے ہیں، یہ آپ ﷺ سے بغاوت کے زمرے میں نہیں آئیں، انسان کے آگے بڑھنے اور باقی رہنے کا سارا بندوبست آخری نبوت میں پنہاں ہے۔جو ہر محمد ﷺ ''وقت'' علاقہ اور قوموں کے اعتبار سے عیاں ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ہمارے سامنے عربوں کا وہ ابتدائی معاشرہ نہیں ہے جہاں آپ ﷺ کا ظہور ہوا اور اُس ابتدائی معاشرے کو ایک مثال و بنیاد بنایا گیا۔ہمارے سامنے عصر جدید کا سائنسی وفلسفیانہ معاشرہ ہے۔مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے کہ موجودہ سائنسی وفلسفیانہ معاشرہ کی تشکیل میں اسلامی فکر وعمل کا دخل نہیں ہے۔علم کا ایک ارتقاء ہے جو قوموں، معاشروں اور مذہبوں کے تال میل سے ظہور میں آتا ہے۔البتہ عصر جدید کے جدید معاشروں کی بھاگ دوڑ یا کمان سائنسی اور فلسفیانہ استدلال کے ہاتھوں میں ہے۔یہ انسان کے شعور کی ترقی کی ایک منزل ہے آخری بہر حال نہیں ہے۔انسان کی آج کی شعوری منزل آپ ﷺ کے پیغام نبوت سے بغاوت سمجھنا درست نہیں ہے یہ منزل بعینہ پیغام نبوت کا ثمر ہے۔جدید معاشروں کی کمان چونکہ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس لیے مسلمانوں کے ہاں تذبذب پایا جاتا ہے اور تذبذب مسلم انسان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔یقین زائل ہو جائے تو نصب العین کھو جاتا ہے اور پیچھے تذبذب رہ جاتا ہے۔

Marfat.com

نصب العین کی تجدید اور تعین اور اُس کے لیے یقین کا حصول آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے وابستگی سے ممکن ہے۔ یہ وہ جوہر ہے جو خون کی طرح ہماری رگوں میں دوڑے گا تو نصب العین بھی نظر آئے گا اور یقین بھی حاصل ہوگا۔ یہ جوہر عشق وجنوں مانگتا ہے۔ آپ نبی آخر الزماں ﷺ سے تعلق کو عشق وجنوں تک لے جائیں تو نصب العین واضح ہو جائے گا اور یقین کامل عطا ہوگا۔ یہ طریقہ راہ سلوک میں تو موجود ہے لیکن اسے واحد راستہ قرار دینا درست نہ ہوگا۔ سائنس دان کا تجربہ ومشاہدہ اور فلسفی کا غور وفکر واستدلال ممکن ہے مختلف جہتوں سے جوہر محمد ﷺ تک رسائی پاتا ہو اس لیے یہ موقف تسلیم نہیں ہے کہ انسان کی موجودہ سائنسی وفلسفیانہ ترقی جوہر محمد ﷺ سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔ عقیدہ، عبادت اور معاملات کا حاصل شعور انسان ہے جو شعور نبوت کا مقصد ہے۔ انسان آگے بڑھتا ہے۔ اُس کی حرکت ہر دم آگے کی جانب ہے۔ وہ غلطی کرتا ہے۔ مزید آگے بڑھ کر غلطی کا احساس کرتا ہے۔ اُسے خود درست کرتا ہے اور مزید آگے بڑھا جاتا ہے۔ یہی آپ ﷺ نے بتایا یہی قرآن میں فرمایا گیا۔ یہی شعور انسان ہے جسے شعور نبوت سے مزین کیا گیا۔ راہ سلوک ریاضتوں اور مجاہدوں کا نام ہے۔ مقصد جوہر محمد ﷺ اور شعور نبوت ہے۔ سائنس تجربات ومشاہدات کی مشقتوں کا نام ہے۔ مقصد شعور انسان کو ترقی عطا کرتا ہے۔ فلسفہ غور وفکر کی بھٹیوں اور استدلال کی پگڈنڈیوں سے گذرنے کا نام ہے۔ مقصد محض اور محض شعور انسان کو بلند سے بلند تر لے جانا ہے۔

گویا ہم جب سیرت پاک ﷺ کا مطالعہ عصر حاضر میں کریں تو ہمارے سامنے موجودہ معاشرہ ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنے کردار کو اس معاشرے میں رہنے کے لیے بنانا ہوگا اور جوہر محمد ﷺ سے اسی معاشرے میں رہنے اور اسے مزید بہتر بنانے کے لیے استفادہ کرنا ہوگا۔ مطالعہ سیرت ﷺ کی یہ تازہ جہت ہے۔ ہمارے ہر عمل کی نصب العینی اور یقینی جہت کا گذر آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کو بنانا ہوگا۔

جوہر محمد ﷺ ''شعور نبوت'' ہے۔ شعور نبوت کا آغاز اولین انسان اور اولین نبی سے شروع ہوا۔ شعور نبوت، نبی کو حاصل ہوتا ہے اور اس کی راہ گذر ''انسان'' ہے۔ انسان کی راہ گذر اور شعور ہے ''شعور نبوت'' آگے بڑھتا رہا ہے۔ مقصد نبوت ومقصد شعور نبوت محض اور محض حضرت انسان کو اُس مقام شعور تک لے جانے کے لیے اور راہنمائی کرنا ہے جہاں انسان راز ہستی کو پالے یا راز ہستی منکشف

Marfat.com

ہو جائے۔ نبوت کا اختتام آپ ﷺ پر ہوا اور شعور نبوت ایک اعلیٰ منزل پر آ گیا۔ اس شعور نبوت کے مقصد کو ''انسان'' کی راہ گذر سے ارتقاء کی سیکڑوں منزلوں سے گذرنا پڑا۔ اور تازہ صورت حال یہ پیدا ہوئی کہ:

___ ''نبوت'' آپ ﷺ پر ختم ہوگئی

___ ''مقصد نبوت'' ختم نہیں ہوا

___ ''شعور نبوت'' اب نبوت کے بغیر آگے بڑھتا رہے گا

___ ''انسان'' ہی اب واحد ''شعور نبوت'' کی راہ گذر ہے

___ ''انسان'' ہی اب مقاصد نبوت کے حصول کا واحد نمائندہ ہے

''انسان'' مگر اب نبی نہیں بنے گا۔ نبوت باقی نہیں رہی مگر نبوت کی ضرورت باقی ہے کیونکہ مقاصد نبوت ابھی باقی ہیں۔ ان مقاصد نبوت کے حصول کے لیے ''شعور نبوت'' کو نمو پذیر رہنا ہے۔ نمو پذیری کسی شئے کی ہو اُس کے لیے زادراہ اور محرک درکار ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت کو آخری و کامل نبوت کا درجہ ملنے کے بعد ''شعور نبوت'' کے لیے زادراہ نبوت محمد ﷺ کو ہی آخری زادراہ کے طور پر مختص کر دیا گیا ہے۔ محمد ﷺ پر نزول قرآن دراصل جدید انسان کے بالغ و باشعور ہونے کا اعلان ہے اور اسی وجہ سے انسان کو کسی اور نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

نبوت کا مقصد انسان کے شعور کو بتدریج ترقی دینا ہے اور انسان شعور کے ایک بالغ مقام پر پہنچا تو نبوت کا فریضہ خود اُسے سونپ دیا گیا اور نبوت کا نظام ختم کر دیا۔ نبوت ختم ہوئی مگر فریضہ نبوت انسان کے شعور کے سپرد کر دیا گیا۔ شعور انسان شعور نبوت کے ساتھ یہ سفر طے کرتے ہوئے عصر حاضر میں داخل ہوا۔ انسان اس وقت شعور انسانی کی منزلوں کو تیزی سے عبور کر رہا ہے۔ علم اپنا آپ تیزی سے منکشف کر رہا ہے۔ اس سب کے باوجود شعور وہی ہے جو ہر نبی نے آگے بڑھایا اور جس کا اختتام آپ ﷺ پر ہوا۔ یہ شعور، شعور نبوت ہے جو جاری ہے اور جو جاری رہے گا۔

نوع انسانی شعوری لحاظ سے نمو پذیر ہے۔ شعور کا تعلق بنیادی طور پر حرکت، بیداری اور معلومات سے ہے۔ حرکت، بیداری اور معلومات کو ایک لفظ ''علم'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور یہ علم کی ترقی

Marfat.com

ہے جس نے انسان کے شعور کو ترقی دی ہے۔ علم کسی قوم سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر ذی شعور اور ہر قوم کا حصہ کم وبیش اس میں موجود ہے۔

سیرت ﷺ کا جدید مطالعہ، جدید علوم کے ذخیرہ کی روشنی میں نئے سرے سے درکار ہے۔ یہی شعور نبوت کا تقاضا ہے اور یہی شعور انسانی نمو پذیری وترقی کی ضرورت ہے۔ اس موضوع پر تاحال معذرت خواہانہ رویہ برقرار رکھا گیا ہے۔ نبوت ایک ایسی صداقت ہے جس سے کوئی قوم وعلاقہ اور تاریخ کا کوئی دور خالی نہیں ہے۔ محمد ﷺ کی نبوت پندرہ صدیوں کے بعد بھی اپنی صداقت منوا رہی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت ماضی، حال اور مستقبل کا سامان وشعور نبوت کو منطقی نقطے تک لے جانے کی دعویدار ہے۔ شعور نبوت ﷺ کا پیغام گو آج سے صدیوں پیشتر ظہور پذیر ہوا مگر یہ نمو پذیر ہو کر اکیسویں صدی عیسوی کے علوم میں داخل ہو چکا ہے۔ ہمارے سامنے غور وفکر کا نقشہ یوں بنتا ہے:

ا۔ سیرت محمد ﷺ کا ذخیرہ ومواد اولیں مقام سے محفوظ ومدون ہے۔

ب۔ یہ ذخیرہ مواد دنیا کے تمام انسانوں کے ارتقائی شعور میں بلاواسطہ یا براہ راست شامل رہا ہے۔

ج۔ جدید علوم، تنظیم علوم میں بھی ترقی کر چکے ہیں اور دور حاضر تنظیم علوم اور روابط علوم کا دور ہے۔

اوپر تذکرہ ہوا ہے کہ سیرت پاک ﷺ کا جدید مطالعہ درکار ہے۔ جدید تقاضے ہیں، اُن کے مطابق کردار کی تعمیر نو کی ضرورت ہے۔ جدید مطالعہ، جدید علوم کے ذخیرہ کی روشنی میں ہی کارآمد ہے۔ سیرت پاک ﷺ کا مطالعہ قبل ازیں بھی حرز جان رہا ہے۔ ہر لمحہ اور ہر قریہ تذکرہ رہا ہے۔ یہ انداز اس قدر پختہ ہے کہ نہ کبھی رُکا اور نہ رُکے گا۔ البتہ جدید علوم نے ایک نئی دنیا آباد کی ہے۔ یہ دنیا قرآن اور آپ ﷺ کے منشا کے خلاف پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ محسوس اور غیر محسوس اثرات موجود ہیں۔ یہ محسوس اور غیر محسوس اثرات ہی ہیں کہ انسان نے مذاہب کی جہت کے علاوہ انسانی عقل، انسانی محسوسات اور انسانی نفسیات کے علمی میدانوں کا سراغ لگا لیا ہے۔ مطالعہ سیرت ﷺ اور تفہیم سیرت ﷺ کو کرداری نمو پذیری کے لیے اب طبعیات، حیاتیات اور نفسیات کے علوم کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ سیاسیات، معاشیات اور

Marfat.com

عمرانیات کے ارتقاء میں حیران کن تبدیلی واقع ہوئی ہے، کم از کم اکیسویں صدی کا انسان وہ انسان نہیں رہا جو اُس سے قبل تھا۔ اس لیے کردار کی نمو پذیری کے لیے انسان کی موجودہ سطح کے مطابق پیغام نبوت کی تعبیر و تفہیم درکار ہے:

۔جدید علوم عقلی و استدلالی علوم ہیں۔

۔جدید علوم حسی و تجربی علوم ہیں۔

۔جدید علوم نفسیاتی و ذہنی علوم ہیں۔

یہ تینوں علوم روایتی انداز سیرت ﷺ کے تقدس کو باقی رکھتے ہوئے تفہیم سیرت ﷺ کے لیے لازمی ہیں۔ یہ تینوں علوم مسلم ادب میں بھرپور روایت کے حامل ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علم کی کہانی کا ارتقاء ایسے ہی ہوتا ہے مگر اب کی باران تینوں علوم کا رنگ بہت ہی بلند ہے۔ یہی شعور انسان کی بلندی ہے اور اسی بلندی پر پھر شعور نبوت ﷺ مزید آگے بڑھنے کا زادراہ فراہم کرے گا۔

جدید مطالعہ کا انداز اولیں و اساسی ذخیرہ و مواد کو سامنے رکھتے ہوئے عصر جدید کے علوم سے بلند تر سطح پر سیرت کے پیغام کو پانا ہے۔ اسے سیرت کا ''علم مستقبلیات'' کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی(۱) اسے مستقبلیات سیرت کا نام دیتے ہیں۔ محمود احمد غازی سیرت پاک ﷺ کا عصر حاضر میں مطالعہ کو نئی جہتوں پر آگے بڑھانے کے پُر جوش داعی تھے اور اس ضمن میں ان کا یہ فی الحال آخری کام معلوم ہوتا ہے۔ ''محاضرات سیرت'' میں بارہ خطبے ہیں جو سیرت پاک ﷺ پر ایک نئی جہت سے دیئے گئے۔ آخری دو خطبات یہاں مدنظر ہیں جو راقم کے عنوان کو تقویت دیتے ہیں۔ اہم بات جو انھوں نے بیان کی:

> ''کہ امت کی اساس توحید کی بنیاد پر قائم نہیں ہوئی بلکہ رسالت کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔''(۲)

جبکہ امت کی اساس ذات رسالت ﷺ سے وابستہ ہو کر تین چیزوں پر تکیہ کرتی ہے:۔

۱۔قرآن پاک کا علم

۲۔حدیث کا علم

Marfat.com

۳۔سیرت رسول ﷺ (گوسنت کا ہی ایک حصہ ہے)(۳)

اس پس منظر میں یہ دیکھنا ہوگا کہ:

- ذات رسالت ﷺ کے حوالے سے ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟
- علم سیرت کا مغرب کے ہاں کیا رتبہ ہے؟
- کن نئی جہتوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔؟(۴)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کا موقف ہے:۔

''انیسویں صدی میں جو کام (سیرت) پر ہوا ہے اُس کا خاصا حصہ یا تو محض روایتی انداز کا ہے یا پھر معذرت خواہانہ انداز کا ہے۔اس دور میں جو کتابیں سیرت پر لکھی گئیں ان میں قدیم انداز کی کتابوں میں تو صرف اصول روایت اور صحت سند پر ہی سارا زور ہے۔اس کی اہمیت اور بنیادی حیثیت سے انکار نہیں لیکن بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کی گتھیاں اصول درایت اور اصول نقد تاریخی سے کام لیے بغیر سلجھائی نہیں جا سکتیں۔(۵)

اصول درایت مسلم ادب کا اہم اصول رہا ہے۔ہم اس کی صلاحیت کھو چکے ہیں اور مغرب نے یہ صلاحیت پالی ہے۔گویا بنیادی فرق اصول کا نہیں صلاحیت کا ہے۔اس لیے وہ روایتی انداز تحقیق کے ساتھ جدید مغربی انداز تحقیق سے بھی کام لے کر سیرت پر کام کو مناسب خیال کرتے ہیں یہی عصر حاضر کا تقاضا ہے۔یہ اسلوب اختیار کرنے سے نتائج امت کے حق میں آئیں گے۔تین اسلامی اور ایک جدید مغربی انداز سیرت رسالت ﷺ کو جدید جہت دے گا:

___ محدثین کے اصول روایت

___ مورخین کے اصول درایت

___ علمائے اصول کا منہج

___ جدید اجتماعی اور انسانی علوم کا اسلوب تحقیق(۶)

سیرت پاک ﷺ کو جدید مغربی انسان کے لیے مفید بنانے کا طریقہ واسلوب کیا ہے۔انہیں ڈاکٹر محمود احمد غازی آخری دو ابواب میں زیر بحث لائے ہیں۔

۱۴۳۲۸۳

Marfat.com

___ مستقبلیاتِ سیرت

___ مستشرقیات سیرت

___ عالمگیریات سیرت

مستقبلیات سیرت کے ضمن میں امام مسلمؒ کی ایک حدیث بیان کی جاتی ہے جو حضرت عمرو بن العاص سے مروی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل روم (اہل یورپ) خصوصیات سے خالی نہیں ہیں۔ ان خصوصیات کی بنیاد پر اُن کی کردار سازی ممکن ہے۔ اسے ''علم مستقبلیات'' کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔

مستشرقیات سیرت میں اُن لوگوں کا کام ہے جو مسلمان نہیں ہیں مگر عالم ہیں اور سیرت رسول ﷺ اور اسلام پر لکھتے ہیں۔ ابلاغ کی وسعت نے اس صنف علم میں اضافہ کیا ہے۔ مستشرقیات پر اس جہت سے کام کرنے کی ضرورت ہے کہ ایسے تمام سوالات جو کسی مستشرق کے ذہن میں آئے ہیں، اُن کا جواب عصر حاضر کے انسان کی تشفی کرے گا۔

عالمگیریات سیرت کا مطلب یہ ہے کہ عالمگیریت کے جدید نصب العین کے اصول وضوابط کی تازہ تشکیل میں سیرت سرکارِ دو عالم ﷺ کو مدنظر رکھا جائے۔ بصورت دیگر یہ تصور بھی استحصالی رنگ اختیار کر کے مزاحمت کا شکار ہو جائے گا۔

اگر ڈاکٹر محمود احمد غازی کی بات کو آگے بڑھایا جائے تو عصر جدید میں فہم سیرت کے جدید بنیادی اصول وضع کرنے پڑیں گے۔ مسلم اُمہ کا المیہ بھی جدید ہی ہے کہ بنیادی اصولوں کی تشکیل جدید کے لیے تیار نہیں حالانکہ تشکیل جدید کا مطلب روایت کو وقت کے سانچے میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ بنیادی اساس کبھی نہیں بدلتی، تفہیم کا طریقہ کار بدلتا ہے۔ زبان واصطلاحات بدلتی ہیں۔ طاقت واقتدار اِدھر اُدھر ہوتے ہیں۔ سماجی ضرورتیں، معاشی اور سیاسی رویے بدلتے ہیں اس تغیر پذیر صورت میں اساسی رہبری کے اثرات ساتھ ساتھ جاری رہتے ہیں۔

تفہیم سیرت کے اساسی اصولوں کو تھام کر ہمیں جدید راستوں پر آگے بڑھنا ہوگا۔

___ وقت نے جدید راستوں کو تراشا ہے۔

___ علم جدید نے جدید افکار کو جنم دیا ہے۔

Marfat.com

—— علم جدید کے نتائج نے شعور انسان کو نئی جلا بخشی ہے۔

انسان کا شعور آگے بڑھا ہے۔ شعور کی بنیادیں واساس پیغمبرانہ وحی ہے۔ پہلے نبیؑ سے لے کر آخری نبی ﷺ تک شعور کا ایک ارتقاء ہے۔ شعور کا یہ ارتقاء انسان کی بنیاد پر ایک خاص منزل پر پہنچا تو انسان سے نبوت واپس لے لی گئی۔ انسان اب فریضہ نبوت کو آگے بڑھانے کی صلاحیت پا چکا تھا البتہ نبوت کی الوہیانہ راہنمائی کا اہتمام آخری نبوت میں رکھ دیا گیا۔ آخری نبی ﷺ سے رہنمائی کا اہتمام عالمگیر اور غیر متناہی مستقبل کے لیے قرآن حکیم اور حدیث پاک ﷺ میں رکھ دیا گیا۔ اس ارتقائی سفر کو مدنظر رکھیں تو فہیم سیرت ﷺ کے جدید منہج کے تین بنیادی اصول سامنے لا کر آگے بڑھا جا سکتا ہے:۔

اول۔ نبوت کا ایک ارتقاء ہے۔ ارتقاء جدید علم کے مسلمات میں سے ہے اور محمد ﷺ کی نبوت وشعور نبوت، ارتقاء نبوت کی آخری کڑی ہے۔

دوم۔ محبت پیغمبرانہ اصول وضابطہ ہے۔ پہلے نبیؑ نے بھی محبت کا پیغام دیا اور نبوت کی ترقی یافتہ صورت خاتم النبین ﷺ نے بھی محبت کو نصب العین قرار دیا جبکہ آج کا جدید علم عالمگیر تصور کو اجاگر کرنے کے باوجود اپنے نتائج، محبت کے بجائے خودغرضی کی صورت میں سامنے لا چکا ہے۔ پیغمبرانہ ارتقاء محبت اور سیرت محمد ﷺ کا پیغام محبت ہی کی دنیا آباد کر سکتے ہیں۔ محبت مادیت سے کبھی نہیں اُبھرے گی۔ مادیت انسان کی مادی ترقی میں ایک بڑا کردار ادا کر رہی ہے۔ مگر یہ کردار محبت پر نہیں ہے خودغرضی پر مبنی ہے۔ مادیت کی حقیقت اہم اور بجا مگر انسان خودغرضی سے نہیں محبت سے آگے بڑھے گا۔ محبت جب بھی پروان چڑھے گی پیغمبرانہ شعور کی بناء پر روحانیت سے اُبھرے گی۔

سوم۔ تیسرا اصول خود ''حضرت انسان'' کا مرکز ومحور ہونا ہے۔ پہلا نبی بھی انسان تھا۔ تمام انبیاء انسان تھے۔ خاتم النبین بھی انسان تھے۔ خدا کی بہترین تخلیق بھی انسان ہے۔ خدا کی روح بھی انسان ہی میں پھونکی گئی ہے۔ کائنات کے راز کی کنجی بھی انسان کو تھما دی گئی ہے۔ انسان پر اعتماد کی ضرورت ہے۔ یہ آگے بڑھا ہے یہ اور آگے بڑھے گا اور انسان ہی آگے بڑھے گا۔ انسان شعور نبوت کی روشنی میں صراط مستقیم میں آگے بڑھے گا۔ شعور نبوت کی روشنی

Marfat.com

کے بغیر اگر چند قدم انسان غلط طور پر قدم بڑھائے گا تو اُسے واپس سیدھے راستہ پر آنا ہوگا۔غلط راستوں کی منزل نہیں ہوتی۔انسان بھٹک کر بالآخر سیدھے راستے پر آجاتا ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (ؒ) نے شاید اسی کو انسانی اقدام وخطا کا عمل قرار دیا ہے۔اقدام وخطا کے عمل میں پڑ کر سچ کی طرف بڑھنا ہی شاید منہج انسانیت ہے۔

جدید علوم وجدید موضوعات کو جدید انداز تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے سے رسالت ﷺ کی حجیت ثابت ہوتی ہے اور سیرت پاک ﷺ کو عصر حاضر کے انسان کے لیے استفادے کی آسان صورت مہیا ہوتی ہے۔انسان کو بہر حال آگے بڑھنے کے لیے یقین واعتماد کسی کامل انسان کی زندگی سے حاصل ہوتا ہے۔کامل انسان انبیاء رہے ہیں اور آپ ﷺ آخری کامل انسان ہیں۔آخری کامل انسان محمد ﷺ اُمت کی پہچان، انسانیت کے رہبر کامل، شعور نبوت کے جوہر کامل اور شعور انسانی کے محرک کامل ہیں۔شعور انسانی، شعور نبوت محمد ﷺ کی بدولت سیکھتا ہے۔ترقی کرتا ہے۔شعور نبوت محمد ﷺ سے سیکھنے پر پابندی نہیں ہے۔شعور مسلمان بھی سیکھتا ہے اور غیر مسلم انسان کا شعور بھی سیکھتا ہے۔ان سب علوم کی تال میل سے ''علوم الانسان'' تشکیل پذیر ہوتا ہے۔جو شعور انسان کی نمو پذیری کا اہتمام کرتا ہے اور شعور انسان کی نمو پذیری اور ترقی ہی دراصل نبوت کا فریضہ اور شعور نبوت کا حاصل ہے۔

___ وحی انسانوں کے راستے کی حتمی ویقینی روشنی ہے۔

___ سائنس انسانوں کے حسی افعال کی تجربی توثیق ہے۔

___ فلسفہ تنظیم علم کے طور پر انسانی اعتماد کا وجدان ہے۔

___ شعور نبوت ﷺ انسان کے فریضہ نبوت کی تکمیل کی ضمانت ہے۔

شعور نبوت اور اُس کے مدارج عالیہ

شعور نبوت کے اثرات دو طریقوں سے انسانیت پر مرتب ہوتے چلے آرہے ہیں:

اول: اکیسویں صدی میں ایک انسان یا انسانوں کا ایک گروہ کائنات، مادیات، حیاتیات اور نفسیات کے علمی وعملی میدانوں میں انسانی تاریخ وترقی کے مدارج عالیہ کو بنیاد بنائے ہوئے ہے اور اُن سے مزید علم کشید کر کے عقلی وتجربی میدان میں انسانیت کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دے رہا ہے۔

Marfat.com

دوم: دوسری طرف اکیسویں صدی میں ہی انسانوں کا ایک گروہ (اُمت مسلمہ) انہی مذکورہ میدانوں کے لئے خالصتاً شعور نبوت کے مدارج عالیہ یا ارتقاء شعور نبوت کو بنیاد بنا کر اور الہامی مآخذ سے مزید مگر تازہ علم کشید کرتا ہے اور انسان کی عقلی و تجربی کوشش کو انسان کے نفسیاتی ارتقاء کے ساتھ جوڑ کر انسان کے ذہنی و عملی افعال کو سند جواز بخشتا ہے اور اطمینان کا ساماں پیدا کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہے۔

اکیسویں صدی کا چیلنج یہ ہے کہ شعور نبوت کے ان دونوں طریقوں کو متوازی سمتیں جانا جاتا ہے۔ امت مسلمہ عقلی و تجربی علم جدید کو شعور نبوت سے غیر جانتی ہے جبکہ علم جدید کا عقلی و سائنسی شعور نبوت کے ارتقائی علم اور مآخذ کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی اُمنگ و سعی انسان میں فطری طور پر ودیعت شدہ ہے۔ شعور نبوت اس فطرت انسانی کا ہمیشہ سے ممیّز و رہنما رہا ہے۔ عصر جدید کا تقاضا ہے کہ دونوں سمتوں میں توازن کو نمایاں کیا جائے۔ امت مسلمہ انسانوں کا وہ گروہ ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ شعور نبوت کی ترویج کا فریضہ سرانجام دینے والا گروہ ہے۔ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے نسبت رکھتا ہے۔ شعور نبوت و خاتمیت نبوت کے فرائض نبوت انجام دینے پر مامور ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت الناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تومنون باالله (آل عمران ۳:۱۱۰)

ترجمہ: اب دنیا میں تم وہ بہترین گروہ ہو جسے انسان کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے جو نیکی کا سبق دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس پس منظر میں یہ وضاحت مقصود ہے کہ شعور نبوت کیا ہے؟ خاتمیت نبوت سے کیا مراد ہے؟ شعور نبوت کے مدارج عالیہ کسے کہتے ہیں؟ اور یہ انسانوں کے اُس گروہ سے کیسے متعلق ہیں یا ہو سکتے ہیں جو عقلی و تجربی میدانوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں؟ ان موضوعات کی پہلی وضاحت (۸) ہم علامہ محمد اقبال کے حوالے سے درج کریں گے۔

علامہ اقبال کا کلام اور پھر اردو میں نذیر نیازی کا ترجمہ ایسا نہیں کہ درج کر کے سمجھنے کی

Marfat.com

ذمہ داری عام قاری کے فہم پر چھوڑ دی جائے اور خود بری الذمہ ہو جائیں، تحلیل و تجزیہ کی ذمہ داری درج کرنے والے پر بھی عائد ہوتی ہے۔ علامہ کی یہ تحریر، راقم الحروف کے قائم کردہ موضوع اور عنوانات کے لئے ایک سند اور تائید ہے۔ اس طویل اقتباس میں بہت گہرے نکات ہیں اور شائد شعورِ نبوت اور بیسویں صدی اور مابعد کے ظہور پذیر علم جدید کے حوالے سے اپنی نوعیت کی منفرد اور کمال بات اقبال ہی اقبال کی بلندیوں پر پہنچ کر کہہ سکتا تھا۔ نکات وار تجزیہ یوں ہے۔(۱۰)

۱۔ نبوت، شعور ولایت کی وہ اعلیٰ قسم ہے جو شعور حقیقت سے واردات اتحاد اور اتصال کے لئے وہ تمام حدود و قیود کو عبور کر جاتی ہے۔ انتہائی قربت کے معنی و مقصد میں ذات کا مقصد شامل حال نہیں ہوتا بلکہ جو معنی و مقصد شامل حال ہوتا ہے وہ انسانیت کی اجتماعی طور پر از سر نو تشکیل اور صورت گری ہوتا ہے۔ انسانیت کے باقی رہنے اور آگے بڑھنے کے راہنما اصولوں کا طالب ہوتا ہے۔

۲۔ انبیاء کی ذات میں زندگی کا محدود مرکز و محور یا دوسرے لفظوں میں انسانی خودی اپنے کمال پر پہنچ کر اپنی اصل یا دوسرے الفاظ میں شعور حقیقی سے متصل ہو جاتی ہے تو اُس کا واحد مقصد انسانیت کی راہنمائی اور تعمیر جدید کے لئے تازہ قوت اور تازہ وحی لانا ہوتا ہے۔ اس عمل میں زندگی نے جواب تک حاصل کر رکھا ہوتا ہے، اُس کو محفوظ بنا کر زندگی کی نئی راہیں اور نئی راہنمائی کی قوت اور وحی کا حصول ہوتا ہے۔

۳۔ وحی خاصہ حیات ہے جیسے عام زندگی۔ شعور نبوت کے ارتقاء و روانی کا تقاضا یہ ہے کہ وحی کا تصور محض خصوصی نہ ہو بلکہ شعور نبوت کی عمل پذیری میں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے عمومی امداد کے لئے موجود ہو۔ وحی دراصل ''کن'' کا متبادل لفظ ہے اور ''کن'' کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ کہ جب وحی کا عمل انسانوں اور سماجوں کے اندر برپا ہوتا ہے، کوئی نیا منظر سامنے آتا ہے، وحی کا عمل بستیوں اور زمانوں میں نشو و نما پاتا ہے، اس دوران وحی کی ماہیت اور نوعیت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ علامہ نے ارتقائی مدارج کی تین مثالیں دے کر درجہ وحی کی وضاحت کی:۔

Marfat.com

اول: کسی پودے کا زمین کی پہنائیوں میں سے اُگنا۔

دوم: کسی حیوان میں ایک نئے ماحول کے مطابق کسی نئے عضو کا نشوونما۔

سوم: کسی انسان کا خود اپنی ذات اور وجود میں زندگی کی گہرائیوں سے نور اور روشنی حاصل کرنا۔

۴۔ وحی نے مختلف شکلیں اس لئے اختیار کیں کہ بنی نوع انسان کے عالم صغیر سنی یا ارتقاء کے ابتدائی مرحلوں میں اُن کی نفسی توانائی اور ذہنی نشوونما ایسی صورت اختیار کر لے کہ راہ عمل میں وہ سیدھے آگے بڑھیں، اُس وقت کی شاہرات حیات پر انسان کا سفر متعین راہوں پر آسان بنا دیا جائے، یہی شعور نبوت ہے جس کی اہمیت کفایتِ فکر اور انتخاب راہ کی ہے۔ اِسی شعور نبوت کا ارتقاء ہوا اور محمد ﷺ پر اس کی تکمیل ہوئی۔

۵۔ تکمیل نبوت اور خاتمیت دراصل شعور نبوت کا ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے۔ یہ مرحلہ شعور نبوت کا اگلا سفر متعین کرتا ہے مگر اب متعین شدہ سفر کی نوعیت و ہیئت تبدیل ہوگئی، انسان کی خود شعوری نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا جہاں اُس کے اندر نصب شدہ جوہری آلہ یعنی عقل بیدار ہو گیا تھا۔ حواس و عقل اور تجربہ و تنقید آئندہ کی شاہراہ حیات ٹھہری انسان کی نفسی توانائی کا اظہار جن ماورائے عقل طریقوں و مفروضوں پر ہوتا تھا، اُن کا ظہور اور نشوونما رک گئی۔ یہی حقیقت ہے۔ راقم الحروف نے اس تحریر کی بنیاد اسی تصور پر رکھی ہے کہ شعور نبوت کے مدارج عالیہ میں خاتمیت نبوت دراصل افکار و نظریاتِ انسانی کی تکمیل اور حتمیّت کا مرحلہ اول ہے اور مرحلہ ثانی عقلی و تجربی بنیاد پر عملیت کا ہے۔

۶۔ شعور نبوت کے اوّلین مرحلہ خاتمیت پر انسانی عقل و شعور کی بیداری وہ مرحلہ ہے جو ابھی تک جاری ہے۔ علامہ کے نزدیک انسان جذبات کا بندہ اور جبلتوں کا محتاج ہے، وہ کائنات اور اپنے ماحول کو عقل و تجربہ سے قابو میں لاسکتا ہے۔ عقل و تجربہ کا حاصل انسان کا سرمایہ محنت و کوشش ہے۔ ماضی میں شعور نبوت کا ارتقاء مجرد فکر کی بنیاد پر ہوا ہے۔ عقل و شعور کی انسان کی سطح پر بیداری اب محض مجرد فکر پر تکیہ کرنے سے قاصر ہے۔ اب آگے شعور نبوت کا ارتقاء

Marfat.com

انسان کی حاصل خودشعوری کی بنیاد پر ہوگا۔ مجرد فکر سے اب ہم زیادہ سے زیادہ مذہبی عقائد اور مذہبی روایات میں کسی حد تک ربط وترتیب قائم کر سکتے ہیں۔

۷۔ پیغمبر اسلام محمد رسول ﷺ کا مرتبہ بطور شعور نبوت اور مرتبہ خاتمیت نبوت دو دنیاؤں کے درمیان فیصلہ حد متارکہ ہے۔ شعور نبوت نے ماضی میں جو حاصل کیا، انسانیت نے صدیوں میں جو متاع پائی، مجرد فکر کی جو حقیقت حاصل کی، انبیاء سابقہ کی جو جو میراث انسانیت کو ملی، خاتمیت نبوت محمد ﷺ میں اُسے حاصل انسان قرار دے کر نہ صرف محفوظ و مامون کر دیا بلکہ اُسے فکر مجرد قرار دے کر آئندہ کے لئے شعور نبوت کی بنیاد قرار دے دیا۔

۸۔ محمد مصطفےٰ ﷺ سرچشمہ وحی کے اعتبار سے ماضی کا تسلسل ہیں مگر اس کی روح اور عقل استقرائی کی بیداری کے اعتبار سے آپ ﷺ جدید دنیا کے بانی ہیں۔ آپ ﷺ کے توسط سے زندگی پر علم وحکمت کے تازہ سرچشمے منکشف ہوئے۔ اسلام کا ظہور دراصل عقلی واستقرائی عمل کا ظہور ہے۔ محمد مصطفےٰ ﷺ میں نبوت اپنے کمال کو پہنچ گئی اور کمال کا خاتمہ ہو گیا۔

۹۔ نبوت کے تصور خاتمیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اب محض فکر مجرد کے سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ انسان کے شعور ذات کی تکمیل تب ہی ممکن ہوگی جو وہ حاصل شدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گا، دین کے تحت کسی دینی پیشوائی کے نظام کو تسلیم نہیں کرے گا۔ موروثی بادشاہت یا عسکری آمریت کو تسلیم نہیں کرے گا۔ عقل وتجربہ اب انسان کے آگے بڑھنے کے ذرائع ہیں۔ عالم فطرت اور عالم تاریخ کو انسانی علم کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے تو محض اس لئے کہ ان میں یہ نکتہ راز مضمر ہے۔ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔

۱۰۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ حصول علم کے دونوں پہلوؤں پر برابر زور دیتے ہیں، برابر اہمیت دیتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک تصورِ خاتمیتِ نبوت کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ شعور نبوت یا وارداتِ باطن کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ نئی بات یہ ہے کہ وارداتِ باطن کو عقل وفکر کی کسوٹی پر پرکھنے کی استعداد انسان کو حاصل ہو گئی ہے۔ اسی لئے نبوت یا مافوق الفطرت سرچشمہ کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ خاتمیتِ نبوت کو علامہ ایک قسم کی ایسی نفسیاتی قوت قرار دیتے

Marfat.com

ہیں جوانسان کوحاصل ہوگئی ہے۔

محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت جہاں سابقہ انبیائی فکر کا نکتہ عروج ہے وہاں آئندہ کی سنگ بنیاد ہے۔ پہلے انسان اور پہلے نبی سے یہ جدوجہد شروع ہوئی کہ خدا کیا ہے؟ کیسا ہے، اس نے یہ سب کچھ کیا تو کیسے؟ وہ نظام ہستی کا خالق ہے، وہ نظام ہستی کو کیسے چلا رہا ہے۔ شعور نبوت نے مسلسل انسان میں ایک خالق کی فکر کو اجاگر کیے رکھا۔ انسان کا تخیل وفکر، محمد ﷺ کی نبوت پر آ کر مکمل ہو گیا اور سابقہ نبوت عیسوی میں عیسیٰؑ کی معمول سے ہٹ کر پیدائش کو بھی واضح کر دیا اور یوں خدا کا نظریاتی وجود اپنے اصل مفہوم و تصور میں واضح ہو گیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ پر آ کر جو مکمل ہوا، وہ پیغام اور نظریہ تھا اور جو ابھی مکمل ہونا باقی ہے، وہ تجربہ وعمل سے رازِ حقیقت پانا ہے۔ ماضی میں شعورِ نبوت، حقیقت خدا کے یقین، پھر اُس کی صورت اور مقام کو جاننے وسمجھنے میں انسان کی راہنمائی کا فریضہ تھا۔ اولین درجہ شعور نبوت دراصل ایمان، عقیدہ اور یقین کا تھا۔ کئی خداؤں سے شروع ہو کر ایک خدا کو ماننے کا عمل تھا۔ پیغمبرانہ کردار نے ہر دور میں، ارتقاء کے ہر مرحلے پر انسان کو ایک خدا کا سبق یاد دلایا۔ یہ سبق مسلسل ایک عمل سے گزرا، انسان اسے کبھی بھول جاتا مگر شعور نبوت اسے پھر یاد دلاتا ہوا آخری نبی تک لے آیا۔

محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین کا پہلا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی صورت وہیئت کے حوالے سے تمام شریک عناصر کا واشگاف طور پر قلع قمع کر دیا۔ خدا کا تصور ہر شریک سے پاک ہو گیا۔ ہمارا ایک مذہبی ذہن اب بھی خدا اور اُس کے تصور میں شرکت کی مثالیں ڈھونڈنے میں وقت ضائع کرتا رہتا ہے۔ آپ ﷺ کا ظہور اور نبوت کاملہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ آسمان دنیا پر سب نے ایک واحد اور یکتا خدا کو دیکھ لیا ہے۔ یہ کاملیت تھی اور یہی خاتمیت تھی۔

کاملیت یہ تھی کہ انسان کو خدا کا شعور حاصل ہو گیا ہے۔ وہ جان گیا ہے کہ خدا کیا اور کیوں ہے؟ اُس کا عقیدہ وایمان اور اُس کا ماننا وتسلیم کرنا کیسا ہے۔ وہ اب خدا اور اُس کی حدود میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتا۔ خاتمیت اس پر مہر ثبت کر چکی ہے۔ یہ قضیہ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔

خاتمیت یہ تھی کہ جہاں انسان کو خدا کا مکمل نظریاتی شعور حاصل ہو گیا ہے وہاں اُس کو وہ

Marfat.com

استعداد بھی حاصل ہوگئی ہے کہ وہ اب عقل و تجربہ سے خدا کو ڈھونڈے، اُس کی دریافت کرے، ''کن'' کا عمل جان جائے؟ آپ ﷺ کی نبوت نے انسان کی اس استعداد کو راہ راست پر رکھنے اور عقل و تجربہ پر مسلسل زور دیا تا کہ انسان اپنی منزل مراد پا سکے۔

یہ استعداد کیا ہے جو خاتمیت نبوت پر انسان کو عطا ہوئی۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اس استعداد کی کیفیت و طاقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

پیغمبرانہ تاریخ نے میراث کی حیثیت سے ہمیں دو چیزیں عطا کی ہیں:

۱۔ اخلاقی فضائل کا تہذیبی لاشعور جس کے مضمرات کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

و فی انفسکم افلا تبصرون (الذاریات:۲۱)

۲۔ آخری پیغمبر کے کارنامے جو تاریخی طور پر تفصیل سے ہمارے پاس موجود ہیں اور قرآن حکیم جو پیغمبرانہ تاریخ کے علمی کارناموں کی تاریخ ہے اور پہلے ادوار کی تمام کوششوں سے ہر طرح زیادہ جامع اور باکمال بھی ہے۔ قرآن کے مطابق اخلاقی فضائل کے تہذیبی لاشعور کے مضمرات یہ ہیں:

الف۔ فجور و تقوی کا امتیاز (فالهمها فجورها و تقوٰها)(الشمس:۸)

ب۔ باطنی کیفیت کا ادراک (بل الانسان علی نفسه بصیرة) (القیامہ:۱۴)

ج۔ ربوبیت کا اقرار (الست بربکم قالو بلی) (الاعراف۱۷۲)

د۔ امانت کی ذمہ داری کا احساس (وحملها الانسان) (احزاب۷۲:۷۳)

لیکن یہ سب کچھ ایک استعداد سے زیادہ نہیں جب تک اس استعداد کو نشوونما کا موقع نہ ملے، اُسے معیاری سانچوں میں نہ ڈھالا جائے، یہ خوابیدہ احساسات بیدار و متحرک نہ ہو جائیں، اس احساس کی عملی دنیا میں کوئی قیمت نہیں، یہی استعداد ہے جسے بیدار کرنے اور قوت سے فعل کی طرف لانے کے لئے انبیاء کی بعثت ہوتی رہی۔'' (۱۱)

انسان کی یہی وہ استعداد ہے جو اُسے خاتمیت نبوت پر ملی جسے وہ پیغمبرانہ شعور کی روشنی میں اپنے عقل و تجربہ اور باطنی واردات کے تحت آگے بڑھا رہا ہے اور خدا کی دریافت اور اُسے پانے کی

Marfat.com

جدوجہد جاری رکھے گا۔ یوں شعور نبوت کے مدارج عالیہ دو ہیں:۔

الف۔ ایک جو مکمل ہوا، اس درجہ پر خدا، اُس کا تصور واضح تر ہو گیا۔ شعور نبوت نے آپ ﷺ کے عہد میں ہی اس قضیہ کو نظری و عملی طور پر مسخر کر دیا تھا۔ انسانیت اپنی منزل کا پہلا درجہ مکمل کرنے پر آ گئی۔

ب۔ شعور نبوت کا دوسرا مرحلہ آپ ﷺ کی نبوت اور خاتمیت سے شروع ہوا۔ نبوت کا خاتمہ ہوا۔ اُس کی جگہ انسان کو نیا شعور اور نئی استعداد بخش دی گئی، یہ نیا شعور اور یہ نئی استعداد نبوت کے بغیر مگر شعور نبوت کی راہنمائی میں انسان کو اپنی منزل مراد تک پہنچائے گی اور وہ منزل خدا کی دریافت و یافت ہے۔

شعور نبوت کا پہلا مرحلہ کن میدانوں میں جدوجہد کر کے کامیاب ہوا اور شعور نبوت دوسرے مرحلہ (جو جاری ہے) میں کن چیلنجز سے دوچار ہے اور کون سے میدان ہیں اور کیسے کامیاب ہو گا۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے اس پر فکری استعداد کے حوالے سے مگر انسانی تاریخ کی روشنی میں بحث کی ہے۔ اُن کی فکر کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

''کاملیت جو ایک بار حاصل کر لی جاتی ہے، اُسے ختم یا نظر انداز کرنے کے بجائے اُسے باقی رکھ کر ارتقاء کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ فطرت نے جب پہلا زندہ خلیہ پیدا کیا تو اُس کے مقاصد میں تمام انواع موجود تھیں۔ حیوان و انسان اور پھر دنیا بھر میں ان کا پھیلاؤ پہلے زندہ خلیہ میں موجود تھا۔ پہلے جاندار حیوان میں تحفظ ذات کی جبلت موجود تھی جو اسے اعلیٰ نوع تک لے جاتی ہے۔ اور جب ایک مکمل حیوان (انسان) پیدا ہوتا ہے تو اگلا مرحلہ زمین میں پھیلنے کا شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی جب فطرت نے پہلا پیغمبر پیدا کیا تو اس کے مقاصد میں ایک مکمل نبی کا ظہور شامل تھا۔ پھر انسانوں کا ایک گروہ اپنی خود شعوری کے مطابق پیروی کرتے ہوئے تمام زمین پر پھیل جائے گا لیکن یہاں فطرت پھر اپنے مقاصد بتدریج حاصل کرتی ہے۔ جب پہلا نبی پیدا ہوا تو فطرت کو اطمینان تھا کہ خود شعوری کی خواہش اور تحریک میں اس کے پیروکار اس وقت تک جدوجہد جاری رکھیں گے جب تک ایک نظریہ جنم نہ لے گا۔ اس طرح کی جدوجہد میں جب رکاوٹ پیدا ہوئی تو حیات نے فوری تحریک کے ذریعے نیا نبی پیدا کر دیا۔ اور جب فطرت نے ایک مکمل اور آخری نبوت کو تخلیق کر دیا تو گویا فطرت کا وہ مقصد

Marfat.com

بھی حاصل ہوگیا جو پہلے پیغمبر میں اس نے رکھا تھا تو نئے نبی کی آمد بند ہوگئی۔"

آخری نبی سے پہلے آنے والے ہر نبی کا علم ایک لحاظ سے نامکمل تھا۔ حالانکہ ہر نبی کا علم مکمل اور بے خطا ہوتا ہے۔ نامکمل ان معنوں میں کہ نبی کا علم معاشرت اور حالات کے ردعمل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان انبیاء کے دور میں معاشرت اور حالات معرض ارتقاء میں تھے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان کا کام رائیگاں گیا بلکہ ہر نبی کی تعلیم اگلے مرحلے پر اس میں اضافہ کے ساتھ عمل پذیر ہوئی۔ اور یوں یہ آخری نبی میں آکر تکمیل پذیر ہوئی۔ مکمل نبی میں نظریات کی تکمیل ہوئی اور ایسی قوت واستعداد پیدا ہوئی جو ہمیشہ برقرار رہنے والی تھی۔ اعلیٰ شعوری صلاحیت جو نبی کو تو حاصل ہوتی ہے مگر اُس کے پیروکاروں میں بھی پیدا ہوئی لیکن فرق بہت بڑا ہے۔ نبی کی اعلیٰ شعوری صلاحیتوں میں تمام خارجی عناصر پائے جاتے ہیں جبکہ پیروکاروں کو نبی پر تکیہ کرنا پڑتا ہے۔

انسان کی خودشعوری آخری نبی کے آنے کے بعد مکمل نہیں ہوئی کیونکہ آخری نبی کی پیروی کے بغیر اعلیٰ خودشعوری کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ خودشعوری کا یہ ارتقاء آخری نبی کی پیروی میں جاری ہے۔ انسانیت کی تقسیم کو فطرت زیادہ دیر قائم نہیں رکھے گی اور انسانیت کو ایک واحد صورت اختیار کرنی پڑے گی۔ آخری نبی کی نفسیاتی لحاظ سے تقلید اور اطاعت انسانیت کو نصب العین سے ہم آہنگ رکھے گی۔

جب کسی معاشرے میں آخری نبی کی اُمت میں آگے بڑھنے کی استعداد کسی وجہ سے کمزور ہو جائے تو شعور کائنات کا خودکار ردعمل حرکت میں آکر ان کمزوریوں کو رفع کرنے کا موجب بنتا ہے۔ اُمت سے ہی ایک یا چند افراد کتاب نبی کا حالات حاضرہ کی روشنی میں گہرا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے گوہر سے نئے اسباق تلاش کرتے ہیں۔ یہ اسباق بظاہر انسانی ہوتے ہیں مگر یہ کتاب (قرآن) میں موجود ہوتے ہیں۔ صرف ابھی تک ان کی معنویت ظاہر نہ ہوسکی ہوگی۔ کتاب الٰہی سے نئے نظریات اخذ کرنے کا عمل بعینہ اُسی طرح ہے کہ جب ایک درخت اُگتا ہے اور نئی شاخیں اور پتے لاتا ہے تو وہ اپنا آپ تبدیل نہیں کرتا بلکہ یہ سب کچھ اسی بیج میں موجود ہوتا ہے جس سے درخت کا ظہور ہوا تھا۔ ایسے میں نئے نظریات کے مقابلے میں مزاحمت، ان کو کمزور کرنے اور پیغمبرانہ تعلیمات سے محبت میں کمی کی کوششوں کو کتاب کے اندر سے اخذ افکار سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔(۱۲)

Marfat.com

شعور نبوت کی ترویج وترقی میں دو نمایاں گروہوں کا تذکرہ آغاز تحریر میں کیا گیا تھا اور ان گروہوں کی متوازیت کو متوازن کرنے کے چیلنج کا سوال بھی اٹھایا گیا تھا۔ اسی سوال کو مغرب اور مشرق میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہمارا موضوع نبوت اور شعور نبوت اور اُس کے مسلسل اثرات کی نشاندہی و اہمیت ہے۔ شعور نبوت محمد ﷺ اور خاتمیت کا فلسفہ دو نکات یا دو فیصلہ کن ادوار کا فیصلہ کن فکر ہے۔

اول۔ تصورِ خدا کی تصوراتی و نظریاتی تکمیل

دوم۔ انسانی استعداد یعنی عقل و تجربہ پر بھروسہ کی ہدایت و راہنمائی۔

"واذاخذربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم و اَشھَدَھم علٰی انفسھِم اَلَستُ بِرَبکم قالوا بلٰی شھدنا" (سورۃ الاعراف ۱۷۲)

ترجمہ: "اے نبی لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا، ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں"

خدا کی تصویر کشی پہلے انبیاء بھی کرتے رہے لیکن انسانی شعور اور استعداد کے مطابق ہی ایک تصور ابھرتا رہا ہے۔ قرآن حکیم میں یوں تو متعدد آیات ہیں جو خدا تعالیٰ کے تصور کا نقشہ کھینچتی ہیں۔ آیت بالا میں یہ باور کرایا گیا ہے کہ خدا، اس کی حقیقت، اس کا تصور اور اُس کی ہیئت دراصل مٹی سے جنم لینے والی اس حیات کے خمیر و جبلت میں رکھ دی گئی تھی اور اس کا اقرار بھی لے لیا گیا تھا لیکن انسان کو اقرار کرتے ایک مدت لگی۔ اُس کی حقیقت ، اس کا تصور اور اس کی حالت و کیفیت جاننے، ماننے اور سمجھنے میں ایک مدت لگی۔ ارتقاء کی کئی منزلیں عبور کرنی پڑیں ارتقاء کی ایک فیصلہ کن منزل نبوت آخر کا ظہور تھا۔ جہاں خدا کی حقیقت و ہیئت کو تصوراتی و نظریاتی سطح پر حتمی طے کر لیا گیا۔ انسان خدا کی حقیقت کو ان معنوں میں جان گیا کہ وہ ایک ہے، اس کا کوئی حصہ دار اور رشتہ دار نہیں ہے۔ وہ اپنی نوعیت میں بے مثال ہے۔ یوں انسان جو خدا کے ساتھ حصہ داری میں مختلف عوامل و کرداروں کو شریک سمجھتا تھا، وہ تصور واضح ہو گیا کہ خدا کا کوئی شریک اور حصہ دار نہیں ہے۔ ختم نبوت ﷺ کا یہ پہلا مقصد تھا جو آپ ﷺ نے اپنی حیات میں مکمل کیا۔ قرآن میں متعدد آیات ہیں جن میں شرک، شریک اور حصہ داری کی تفصیل بیان کی، اُس میں سابقہ قوموں کا تذکرہ بھی ہے۔ ان آیات کی تفسیر میں ہمارے بعض مفسرین اور کم علم علماء

Marfat.com

نے شرک، شریک اور حصہ داری کے تصور کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اس حد تک کوئی غیر مناسب بات نہیں چونکہ اس سے تصور خدا کی تکمیلی نوعیت پر روشنی پڑتی رہتی ہے البتہ اسے ظہور نبوت ﷺ کے بعد شرک و شریک وحصہ داری کے تصور کو اپنے مذہب کے پیروکاروں یا دوسرے مذاہب پر اسے ہر حال میں چسپاں کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ آپ ﷺ کے ظہور کے بعد میدان خدا کی تلاش وتصدیق ہے۔ خدا کے تصور پر ظہور نبوت ﷺ کے بعد ابہام دور ہو چکا ہے۔

یہ جو بعض مذاہب یا ہمارے مذہب کے افراد کا والہانہ انداز بعض اشیاء یا انسانوں سے دیکھتے ہیں تو گمان گزرتا ہے کہ شائد یہ خدا کے تصور وقدرت یا طاقت میں شریک ہونا ہے۔ یہ یاد رکھنا ازبس ضروری ہے کہ خدا نور ہے حُسن ہے۔ یہ جو ہم بعض مذاہب یا اپنے مذہب کے پیروکاروں میں اس طرح کی بظاہر غیر مناسب حرکات دیکھتے ہیں، یہ دراصل حُسن ونور کی کرشمہ سازی ہے، انسان کے اندر خدا کا حسن ونور ودیعت شدہ ہے، اُسے جب کبھی یا کہیں بھی حسن ونور کی جھلک یا تجلی نظر آتی ہے تو وہ سوچے سمجھے بغیر لپکتا ہے یہ لپکنا والہانہ اور عاشقانہ ہوتا ہے۔ اس میں انسان بعض اوقات روایتی نظم وضبط کا خیال نہیں رکھتا۔ حسن ونور کی کشش دراصل نظم وضبط کا ہوش ہی نہیں چھوڑتی، ان حرکات کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے تاکہ ایک یکسوئی پیدا ہو کہ اب تلاش خدا کا مرحلہ ہے۔

دوم: انسانی استعداد یعنی عقل وتجربہ پر بھروسہ کی ہدایت وراہنمائی۔

تکمیل نبوت وخاتمیت دراصل شعور نبوت وشعور انسانی کا فیصلہ کن دوسرا مرحلہ ہے، جہاں:

الف۔ انسانی استعداد کو تسلیم کر لیا گیا اور یہ کہ عقل وتجربہ اور غور وفکر انسانی استعداد ہے۔

ب۔ خدا کا تصور، نظریاتی طور پر تکمیل پذیر ہوا، ورنہ تکمیل نبوت کا دعویٰ ہوتا اور نہ ختم نبوت کا۔

ج۔ نبوت انسان سے واپس لے گئی اور اب انسان کی استعداد کو فریضہ نبوت وکار نبوت کے لئے کافی جان لیا گیا۔

د۔ تلاش خدا، پہچان خدا اور دید خدا کا نصب العین اور لائحہ عمل دے دیا گیا، یہی شعور نبوت کا میدان تھا۔

ہ۔ شعور نبوت کے مدارج عالیہ میں یہ دوسرا فیصلہ کن درجہ تھا۔ جو ظہور ختم نبوت نے متعین کیا۔

Marfat.com

و۔ انسانی استعداد کا پیغمبرانہ نتیجہ یا انسانی سعی کا درجہ اوّل یا مرحلہ دور خلیفہ اوّل سے بارہویں صدی عیسوی تک ہے۔ اسے عقل وغور وفکر کا دور کیا جاسکتا ہے۔

ز۔ دوسرا درجہ یا مرحلہ کہیں سولہویں صدی سے شروع ہوکر اکیسویں صدی میں داخل ہوگیا ہے، یہ انسانی تجربات کی بنیاد پر ایجادات ونتائج یا سائنس کا دور ہے۔

انسان کے دور استعداد کا آغاز وحی سے ہی ہوتا ہے اور جمع وتدوین سے گزر کر ''قرآن حکیم'' اور ''خاتم نبوت ﷺ'' بنیاد بنتے ہیں۔ یہی شعور نبوت انسانی استعداد کو کشاں کشاں اکیسویں صدی تک لے آیا ہے۔ انسانی استعداد میں نبوت ووحی کا جہاں فیضان ہے، وہیں عقل، تجربہ ووجدان اور الہام اُس کی استعداد کا حصہ ہیں۔

حاصل تحریر یہ ہے کہ شعور نبوت محمد ﷺ اور علم جدید کا شعور متوازی ومتضاد نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ شعور نبوت کا پہلا مرحلہ نبوت محمد ﷺ پر ختم ہوتا ہے تو وہیں سے دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔ دوسرے مرحلہ پر نبوت انسان سے واپس لے کر اُس کی شعوری استعداد کو نعم البدل قرار دے دیا البتہ قرآن حکیم وحدیث اور خاتم النبین ﷺ کو اساس وبنیاد کے طور پر انسان کو مدنظر رکھنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ تاکہ وہ اطمینان سے اس مرحلہ پر اپنا سفر جاری رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی شعور کی جدید ترقی کا آغاز محمد ﷺ کے عہد سے شروع ہوا۔ بلا شک وشبہ بارہویں صدی عیسوی تک انسانی شعور کی جدید عقلی وتجربی ترقی اسلامیان کے ہاتھوں رہی، اُس کے بعد یہ قیادت غیر اسلامیان کے ہاتھوں میں ہے اور بہت جلد یہ قیادت ''انسان'' کے ہاتھوں میں آجائے گی جو شعور نبوت کا اصلی مقصد ہے۔ ساری کہانی علم کی ہے، محمد مصطفےٰ ﷺ کی کہانی بھی علم کی کہانی ہے، شعور نبوت کی کہانی بھی علم کی کہانی ہے، انسان کی کہانی بھی علم کی کہانی ہے، علم کہیں متوازی ومتضاد نہیں ہے، سب علم کی کہانی ہے چونکہ اس علم کا انکشاف بتدریج انسانوں کے ذریعے سے ہونا ہے، اس لئے انسان ہی تضادات ومزاحمتوں کے عمل سے گزرتا ہے اور علم کو متوازن بناتا ہے۔ انسانی استعداد عارضی غلطی کر کے مستقل مقصد کو پانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔ جب خدا نے، انبیاء نے خاتم النبی ﷺ نے انسانی استعداد پر بھروسہ کرلیا ہے تو انسان کو بھی اپنے آپ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کا انتقال ستمبر ۲۰۱۰ء میں ہوا ہے۔ ان کا شمار پاکستان کے چند نامور حکماء میں ہوتا ہے۔ P.hd میں راقم الحروف کے نگران تھے۔

۲۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی ''محاضرات سیرت'' الفیصل لاہور ۲۰۰۷ء ص ۱۱۷

۳۔ ایضاً ص ۱۲۷

۴۔ ایضاً ص ۱۱۱۷

۵۔ ایضاً ص ۲۹۷

۶۔ ایضاً ص ۳۲۷

۷۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی فلسفہ وعمرانیات کے اُستاد تھے۔ راقم الحروف کو اُن کا شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی مرتب شدہ کتابوں میں ''منہاج القرآن'' اور ''قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل'' ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۸۔ ارتقاء یا تدریج کا اسلوب بیان موجودہ سائنسی دور میں ایک مسلّمہ علمی اسلوب ہے۔ جب اسے شعور نبوت یا نبوت کے ذیل میں لاتے ہیں تو ہمارا روایتی طبقہ جو سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کرنے کا عادی رہا ہے، اس اسلوب سے نامانوس ہے اور سیرت رسول ﷺ کے پیغام شعور نبوت کا علمی سطح پر مطالعہ کا عادی نہیں ہے۔ وہ دقت محسوس کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کار نبوت کو جاری رکھنے کے لئے وقت کے مطابق اسلوب اختیار کیا جائے۔

۹۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ترجمہ نذیر نیازی بزمِ اقبال، لاہور، ص ۱۹۱ تا ۱۹۴''

۱۰۔ تحلیل و تجزیہ وہ ہے جو راقم الحروف ان اقتباسات سے سمجھا ہے۔ علمی اقدار یہ ہیں کہ قاری اپنے طور پر غور کرے۔

۱۱۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ''سیرت طیبہ اور ہماری سیرت کی اصلاح'' ماہنامہ ''تحریریں'' لاہور سن ندارد سالنامہ ص ۲۶۔

۱۲۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ''آئیڈیالوجی آف دی فیوچر'' آخری باب ''نبوت اور ارتقاء'' ۱۹۵۴ء، ص ۳۶۳، یہ کتاب بعد میں ادارہ دعوہ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد نے بھی شائع کی ہے۔

Marfat.com

2

اوّلیں اعلان نبوت اور عصری مطالبہ(۱)

(۱)

اعلان نبوت:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ☆ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ☆ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ☆ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ☆ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ☆(۲)

نبوت کا یہ پہلا اعلان تھا۔(۳) بہت کچھ اس میں پنہاں تھا۔(۴) اسے عیاں کرنے کا راز بھی اس میں موجود تھا۔(۵) جس کو ہم سادہ الفاظ میں یوں بیان کر سکتے ہیں۔

ا۔ نبوت کا بنیادی مطالبہ کیا تھا؟(۶)

ب۔ نبوت کا بنیادی مطلوب کیا تھا؟(۷)

د۔ نبوت کا حاصل مطلوب کیا ہے؟(۸)

ج۔ نبوت کا باقی مطلوب کیا ہے؟(۹)

ا۔ نبوت محمدی ﷺ کا بنیادی مطالبہ اقرار ربوبیت اور اس کی یکتائی تھا۔ ایک خدا کو ماننے کی دعوت ہر نبی نے دی ہے۔ یہی دعوت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دی۔ پہلے انبیاء کے دور میں انسان ابھی زیادہ باشعور نہ تھا۔ اس میں ربوبیت و یکتائی کو سمجھنے کی صلاحیت زیادہ نہ تھی۔ نبوت محمد ﷺ کی آمد کے موقع پر

Marfat.com

انسان شعور کے مناسب درجہ پر پہنچ چکا تھا اور ربوبیت اور یکتائی کے معنی سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان بتدریج ربوبیت اور یکتائی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ یہی فیضان نبوت ہے اور یہی کمال نبوت محمد ﷺ ہے۔

ب۔ نبوت کا مطلوب ہستی باری تعالیٰ کی جان کاری ہے۔ راز ہستی کی نقاب کشائی ہے۔ اقرار ایک بات ہے، مگر اقرا سے اسے جاننا ہے۔ قلم سے اسے پہچاننا ہے۔ علم سے اسے پانا ہے۔ اقرار بھی انسان نے کرنا ہے۔ اقرا بھی انسان نے کرنا ہے۔ اقراء بھی انسان نے بولنا ہے۔ قلم بھی انسان نے اٹھانا ہے۔ تب جا کر علم کی راہ پر انسان نے آگے بڑھنا ہے۔ زندگی قربان ہوتی ہے۔ زندگیاں قربان ہوتی ہیں۔ تب جا کر علم کچھ پردے ہٹاتا ہے۔ پردے علم نے ہٹائے مگر ابھی بہت سا راز باقی ہے۔ اس راز کی تڑپ انسان میں ہے۔ وہ حصول تمنا کے لئے تڑپتا ہے۔ آگے بڑھتا ہے۔ مگر ہستی ناپائیدار دم دے جاتی ہے۔ اس کی جگہ دوسرا انسان لے لیتا ہے اور آگے بڑھتا ہے۔ یوں زندگی کی ''رو'' اپنے مطلوب کی طرف رواں ہے۔ زندگی مطلوب کے پانے تک نہیں رکے گی اور نبوت محمد ﷺ کا پیغام اقرار، اقراء، قلم کی مناسبت سے علم بخشتا رہے گا اور منزل پر پہنچا کر دم لے گا۔

یہ ایک بات ہے کہ آدم ہے صاحب مقصود
ہزار گونہ فروغ، ہزار گونہ فراغ

ج۔ نبوت محمدی ﷺ کا اولیں اعلان اور چودہ صدیوں کے بعد آج کے انسان کا حاصل ہی دراصل وہ مطلوب ہے جو نبوت محمد ﷺ کا مقصد تھا۔ انسان نے رفتہ رفتہ علم سیکھا۔ دھیرے دھیرے آگے بڑھا۔ پہلے انسانوں نے جو علم حاصل کیا۔ اُسے ضائع نہیں کیا اور یوں انسان ہی انسانی علم مرتب کرتا چلا آیا۔ اسی مرتب علم سے جدید انسان نے علم کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور یہ دنیا کیا سے کیا ہو گئی۔ جدید انسان نے علم کو تقسیم کیا اور تقسیم کی ہر راہ سے علم کی ہزار جہتوں سے پردہ ہٹایا۔ علم حواس تازہ جہت ہے۔ اس کی بنیاد پر سائنسی علم مرتب ہوا۔ علم عقل، علم حواس سے قبل شہرت پا چکا تھا۔ اس کی بنیاد پر فلسفیانہ علم مرتب ہوا۔ وحی کی بنیاد پر مذہبی علم مرتب ہوا۔ اب یہ تینوں علوم (۱۰) مل کر نئی منزلوں پر کمندیں ڈالنے کے درپے ہیں۔ تمام علوم کا منبع و مرکز ایک ہے۔ اُسے لوح محفوظ کا نام دیا گیا ہے۔ تینوں علوم کا

Marfat.com

مقصد حقیقت کی جستجو ہے۔ تینوں علوم انسان کے ذریعے سے آگے بڑھے ہیں۔ انسان کا شعور جتنا آگے بڑھا ہے الٰہی علوم کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ یہ علوم رُکے نہیں ہیں، علوم آگے بڑھ رہے ہیں، مزاحمت، مفاہمت میں بدل رہی ہے۔ علم کی تازہ شان تینوں علوم کی مفاہمت سے پروان چڑھ رہی ہے۔ یہ تازہ کامیابی ہی دراصل نبوت کا حاصل مطلوب ہے۔

سبق مِلا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

(اقبال)

د۔ نبوت کا حاصل مطلوب حیران کن کامیابی ہے۔ مگر مکمل کامیابی ابھی باقی ہے۔ نبوت کے اعلان میں جو پنہاں تھا اس کا مکمل عیاں ہونا باقی ہے۔ انجم بلاوجہ نہیں سہے جا رہے، یہ ٹوٹا ہوا تارہ آخر مہ کامل بنے گا۔ آدم صاحب مقصود ہے۔ وہ مقصود کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آدم کو حسین پیدا کیا گیا۔ اُس کی فطرت مین حسن ودیعت شدہ ہے۔ وہ حسن کو پسند کرتا ہے۔ حسن کی ایک باکمال چمک و جھلک انبیاء کی توسط سے انسان دیکھتا آیا ہے اور پھر آخری نبی محمد ﷺ میں حسن درجہ کمال پر پہنچتا ہے اور حسن حقیقی کی جھلک دکھادی جاتی ہے اور انسان کو راہنمائی دے دی جاتی ہے۔(۱۱) یہ راہنمائی کا اصول آگے بڑھ رہا ہے۔ بتدریج بڑھ رہا ہے، انسان کا شعور بلند ہو رہا ہے۔ وہ انبیاء کے مقام واصول کو پہچان رہا ہے۔ وہ انسان پر عائد ذمہ داریوں کو جان رہا ہے۔ انسان ہی حقیقت کو پانے پر مامور ہے۔ انسان ہی یہ جانے گا کہ اصول حقیقی کیا ہے۔ اتصال وملاپ شعور حقیقی اور شعور انسانی مقصود ہے۔ یہی نبوت کا مطلوب ہے جو ابھی تکمیل کے مراحل میں ہے۔

عشق بھی ہو حجاب میں، حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر

(اقبال)

(۲)

محمد مصطفیٰ ﷺ کی مکی زندگی سے اُبھرنے والے اسباق وامکانات:

اول- جلالیت وجمالیت خدا کا وصف ہے اور کن وحرکت کا بنیادی سبب ہے۔

Marfat.com

دوم۔ جمالیت نبوت کی صفت ہے اور انسان کا نصب العین ہے۔

سوم۔ انسانیت جلالیت اور جمالیت کی رو (۱۲) ہے۔

جلال و جمال خدا کی صفات ہیں۔ کن و حرکت خدا کا تخلیقی عمل ہے ''کن'' سے تخلیق ہوتی ہے یہ تخلیق عدم سے ہوتی ہے۔ اس تخلیق کے اندر حرکت کی استعداد رکھی جاتی ہے جو تب تک جاری رہتی ہے جب تک تخلیق کا مقصد پورا نہ ہو جائے۔

جلالیت و جمالیت خدا کی دو صفات ہیں۔ جلال عربی اسم مذکر ہے۔ بزرگی، عظمت، شان و شوکت، رعب، غضب، طاقت، تیزی کے مضمون میں یہ استعمال ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خدا کی شان کبریائی کے لیے یہ موزوں لفظ ہے، جب اسے ''جلالیت'' کہتے ہیں تو یہ عربی اسم مونث ہو جاتا ہے۔ معنی نہیں بدلتے، اسی طرح جلالی بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں انہی معنی و مفہوم میں ایک دوسرا لفظ ''قہار'' بھی استعمال ہوا ہے۔ جلال کے ساتھ جمال خدا کی صفات میں سے ایک رحیمی صفت ہے۔ حسن و خوبصورتی اس کے معنی ہیں۔ وہ خود بھی خوبصورت ہے اور 'کن' سے ہر تخلیق خوبصورت ہوتی ہے۔ ہر تخلیق میں جاری حرکت خوبصورتی و حسن کی تلاش میں ہے۔ جمالیت عربی اسم مونث انہی معنوں میں ہے۔ 'جمالی، شان رحمت کی تجلی کے لئے بولا جانے والا لفظ ہے۔ انہی معنوں میں نوری و نورانیت کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

یہ وہ سبق تھا جو محمد ﷺ نے پیغام نبوت کی بنیادوں کے طور پر دیئے۔ مکہ میں آپ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو یہ سبق دیا گیا کی جلالیت و جمالیت خدا کی صفات ہیں۔ 'کن' کے عمل سے تخلیق ہوتی ہیں اور تخلیقی عمل کو منزل تک نتیجہ خیز بنانے کے لئے اس تخلیق میں ایک ایسی طاقت اور حس رکھ دی گی ہے جسے حرکت کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ حرکت کائنات کے ہر ذرے اور ہر شئے میں جاری ہے۔

روحانیت میں صوفی پر جس وقت خدا کی صفات جلالیت ظہور پذیر ہوتی ہیں اس کیفیت کو صوفی کی منزل کے مطابق قبض کہا جاتا ہے۔ جب خدا کی صفات جمالیت نمایاں ہوتی ہیں تو اس حالت کو بسط کہتے ہیں۔

جلال اوصاف قہر حضرت الوہیت است (۱۳)

جمال اوصاف لطف و رحمت خداوندست (۱۴)

Marfat.com

نبوت محمدی ﷺ کو خدا کی صفت جمالیت عطا کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی وجاہت مسلّمہ ہے۔ حسن و جمال نبوت کی شان ہے۔ اس تک رسائی کی آرزو انسانی نصب العین ہے۔ نصب العین کے لئے آگے بڑھنا انسان کی آن ہے۔

اسی حسن و جمال کو انسان کا نصب العین قرار دے کر ایک رواور راستہ متعین کر دیا گیا۔ انسان حسن و جمال کو پسند کرتا ہے وہ حسن و جمال کی طرف شعلہ کی طرح لپکتا ہے۔ پروانوں کی طرح نثار ہو جاتا ہے۔ جو بات عجیب ہے وہ یہ ہے کہ نبوت میں جمالیت ہی جمالیت ہے۔ حسن ہی حسن ہے، جبکہ انسان میں صفات خداوندی جلالیت و جمالیت دونوں رکھی گئی ہیں۔ انسان یہ دونوں صفات استعمال کرتا ہے اور کبھی کبھی ایسا نظر آتا ہے کہ انسان محض جلالی وقہاری ہے۔ یہ تاریخ انسانی سے عیاں ہے۔ مگر حسن کی رو انسانی آرزوؤں میں ہر دور میں پنہاں اور عیاں نظر آتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا عمل قہاری وجلالی دراصل صفت حسن کو زندہ رکھنا، حفاظت کرنا اور آگے بڑھنا ہے۔

انسان حسین ہے۔ انسان حسن کو پسند کرتا ہے کیونکہ حسن انسان کا مقصد ہے۔ اس کی آرزو ہے۔ اس کا نصب العین ہے۔ انسان حسین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حسین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حسین بنایا۔ انبیاء کو حسین بنایا اور نبی آخر حضرت محمد ﷺ کو 'کن'، کے تحت آنے والی ہر مخلوق سے حسین بنایا۔ گویا حسن وہ رو ہے جو اللہ تعالیٰ، انبیاء، نبی آخر ﷺ اور انسان میں مشترکہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ہمیشہ انبیاء کی طرف لپکتا ہے۔ انبیاء کا طاقت وحسن انسان کو متاثر کرتا ہے۔ انبیاء کے توسط و وسیلہ سے یہ حسن انسان میں اجاگر ہوتا ہے۔ حالانکہ خدائی صفت جلالیت و جمالیت انسان میں تخلیقی وجبلی طور پر رکھ دی گئی ہے۔ انسان کائنات میں 'کن'، کے کرشمے ملاحظہ کرتا ہے۔ وہ حیران بھی ہوتا ہے۔ وہ پریشان بھی ہوتا ہے۔ کائنات میں 'کن'، کے کرشموں سے اکثر و بیشتر انسانوں کو خدا کی صفت جلالی وقہاری نظر آتی ہے۔ حسن اس سے پنہاں رہتا ہے۔ (جس کے لیے صفت جلالی وقہاری حرکت میں نظر آتی ہے)۔

ایک کرشمہ سازی صفت جلالی وقہاری ہے جس سے انسان متاثر ہوتا ہے اور ایک صفت حسن ہے جو نصب العینی ہے۔ حقیقی مقصد حسن کو پانا اور آشکار کرنا ہے۔ خدا حسن ہے۔ انبیاء میں حسن 'کن'، کا نتیجہ ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ میں 'کن' کا سب سے طاقت ور حسن منتقل کیا گیا۔ انسان میں حسن بطور مقصد و نصب

Marfat.com

العین رکھا گیا۔ مکمل حسن خدا ہے۔ اس نے اپنی مرضی سے 'کن' کے ذریعے حسن کو آگے ودیعت کیا ہے۔ کائنات کی وسعت اور اس میں انسانوں کی آمد و جامد کا جاری نظام دراصل حسن کی رو کو آگے بڑھانے کا سلسلہ ہے یہ رو انسان میں جاری ہے ایک آتا ہے دوسرا چلا جاتا ہے مگر یہ رو آگے بڑھتی جا رہی ہے۔

کائنات میں حسن پنہاں ہے۔ خدا عیاں نہیں ہے۔ کائنات کی ظاہری آن و شان قہاری نظر آتی ہے حسن کو اگر انسان محسوس بھی کرتا ہے تو وہ اس کے سامنے عیاں نہیں ہوتا۔ حسن انبیاء پر عیاں ہے حسن نبی آخر ﷺ پر عیاں ہے۔ انسانوں پر حسن براہ راست عیاں شائد نہیں ہوتا یا عیاں اگر ہوتا ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہوتی ہو گی۔ مگر جو حسن خدا نے انسانوں میں ودیعت کر رکھا ہے وہ مرقع حسن محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے کا محتاج ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ تک وسیلہ کے الگ سے راستے متعین کیے گئے ہیں۔ اولیاء کی ایک نورانی رو قائم ہے۔ ان کے ذریعے سے ایک سے زائد شاہراہیں تعمیر ہو چکی ہیں۔ اس شاہراہ پر کامیابی سے سفر کرنے والوں پر جس طرح حسن آشکار ہوتا ہے اور کسی دوسرے راستے سے شائد ممکن نہ ہے آپ ﷺ مرکز جمال ہیں۔ جو مرکز تک پہنچتا ہے وہ حسن کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مشاہدے کو بیان کرنا بھی کبھی آسان نہیں رہا۔ بہت کم اس رو کے مسافر واپس آئے ہیں اور جو واپس آ کر بیان کرتے ہیں وہ محض چند جھلکیوں سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ شائد فنا و بقا کی بحث اسی مرحلے کی ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی مکی زندگی سے عیاں تصور حسن ہے۔ حسن اول و آخر خدا ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ میں حسن کی طاقت ور رو ودیعت کی گئی اور حسن کی یہی رو انسان میں بطور مقصد رکھی گئی ہے یہی اعلان مکہ ہے آپ ﷺ کے قبل از نبوت واقعات، بعد از نبوت واقعات، قرآن مجید کی مکی آیات و سورتوں میں زبان و بیان کا انداز و پیغام اور آپ ﷺ کا عمل مذکورہ تین بنیادی نکات کے گرد گھومتا ہے۔

- خدا کی صفت جلالیت و جمالیت، کن و حرکت کا سبب اور طاقت ہے۔
- جمالیت نبوت محمد ﷺ کی صفت اور انسانی نصب العین ہے۔
- جلالیت و جمالیت کی صفت ہی انسانیت میں آگے بڑھنے کی رو ہے۔

(۳)

نبی آخر ﷺ کی مکی زندگی سے ابھرنے والے حقائق۔

Marfat.com

اول- خدا کی یکتائی مرکز حقیقت ہے۔

دوم- محمد مصطفیٰ ﷺ مرکز نبوت وختم نبوت ہیں۔

سوم- لوح محفوظ ووحی مرکز علم ہے۔

عشق دم جبریل، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

خدا ایک ہے۔ خدا ایک تھا۔ خدا ایک رہے گا۔ یہی وہ تصور توحید ہے۔ یہی اعلان توحید ہے۔ ہر نبی نے یہی اعلان کیا۔ آدمؑ نے بھی ایک خدا کی بات کی۔ بعد آنے والے تمام انبیاء نے بھی ایک ہی خدا کی بات کی۔ نبی آخر ﷺ نے بھی ایک خدا کی بات کی۔ یوں خدا کی یکتائی مرکز حقیقت قرار پائی۔

خدا پہلے بھی انسانی مرکز محسوس تھا۔ البتہ محسوس کی راہوں پر اکثر التباس پیدا ہو جاتا تھے۔ خدا مرکز محسوس بھی تھا۔ خدا مرکز مشاہدہ بھی تھا۔ اس کے باوجود انسان دید کی تڑپ میں دائیں بائیں نظریں دوڑاتا تھا۔ قرآن نے اس کے لئے لفظ ''شرک'' استعمال کیا ہے۔

خدا کے حسن کے مقابل کسی حسن کی تلاش شرک ہے۔ عبادت تو ہوتی ہی خدا کی ہے۔ انسان تخلیق ہوا تو اس کی بناوٹ وفطرت میں ایک خدا کا احساس رکھ دیا گیا۔ انسانی روح کو آپ وہ احساس کہہ سکتے ہیں۔ یہ احساس کبھی مرا نہیں۔ انسان کا جسمانی وشعوری ارتقاء ہوا ہے، بعینہٖ احساس کا بھی ارتقاء ہوا ہے۔ انسان کا مرکز احساس کبھی گم نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ خدا کو پانے کی آرزو کے ساتھ آگے بڑھا ہے۔ انسانی آنکھ جسمانی دید کی عادی ہے۔ انسانی دید خدا کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ البتہ محسوس کر سکتی ہے مشاہدہ کر سکتی ہے۔

خدا ایک نور ہے۔ ایک روشنی ہے۔ زمین اور آسمان کو روشن کرنے والا ہے۔ انسان کا باطن وظاہر منور کرنے والا ہے۔ یہ نور لطیف ہے۔ اس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی۔ مثال حباب کی دی گئی جو لطیف روشنی کا سبب ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

خدا ایک ہے۔
خدا یکتا ہے۔

Marfat.com

خدانور ہے۔

خداجلال ہے۔

خداجمال ہے۔

خدامحسوس ہے۔

دوم:

محمد مصطفیٰ ﷺ مرکز نبوت وختم نبوت ہیں کیونکہ:

آپ ﷺ ارتقاء و تسلسلِ نبوت کا آخر ہیں۔آپ ﷺ فکر نبوت کے ارتقاء کا بھی آخر ہیں۔

پہلا نبی اور بعدازاں تمام انبیاء جو پیغام لائے،اس کی تکمیل نبوتِ آخر ہے۔گزشتہ تمام انبیاء کو خبر تھی کہ ان کے پیغام کی تکمیل نبی آخر کے ذریعے ہوگی۔پھر نبوت آخر آپ ﷺ پر ختم ہوگی۔کوئی نبی اور نہ آئے گا۔مگر کار نبوت کو جاری رکھنا مرکز نبوت کے تحت ہے۔کار نبوت تب تک جاری رہے گا جب تک خدا کا حسن آشکار نہیں ہوجاتا اور انسان جس دید کی جستجو میں ہے اُسے پا نہیں لیتا۔اس سب راہ عمل کا مرکز بھی نبوت ﷺ ہے۔

نبوت محمد ﷺ تمام انبیاء کا بھی مرکز ہے۔ماضی،حال اور مستقبل کے تمام انسانوں کا بھی مرکز ہے اور خدا کے پیغام کا بھی مرکز ہے۔مکہ مکرمہ مرکز خدا بھی ہے اور مرکز رسول ﷺ بھی ہے۔مدینہ کو مرکز خدا سے امتیاز دے کر مرکز نبوت کا مقام بنایا گیا۔خدا کی خدائی اپنی ہے۔نبی کی نبوت بھی خدائی ہے۔خدا کی اپنی شان ہے۔نبوت کو وہ اپنی شان دیتا ہے۔

خدا بھی نور ہے۔نبوت بھی نور ہے۔آپ ﷺ کو قرآن میں نور کہا گیا۔انسان کو بھی نور سے ایک ٹوٹا ہوا تارا باور کیا گیا۔خدا زمین اور آسمان کا نور ہے۔لفظ نور کی تعبیر تو زمانے نے اپنی بصارت اور بصیرت سے کر رکھی ہے۔یہ روشنی ہے تو خدا روشن ہے اور خدائی روشنی مختلف شکلوں میں انبیاء اور انسانوں میں کارفرما ہے۔ایک ''رو'' ہے جو رواں ہے اور ایک حرکت ہے جو آگے کی طرف بڑھتی جارہی ہے۔یہ نور نبوت ہے جو نور خدا کی تلاش میں راہنمائی دیتا ہے۔

مرکز نبوت دراصل تکمیل نبوت اور شعور نبوت کا بھی مرکز بن گیا۔نبوت کی تکمیل ہوئی،فریضہ نبوت

Marfat.com

ابھی جاری ہے اور اس کی تکمیل ابھی باقی ہے۔ یہ تکمیل اب مرکز نبوت کی بنیاد پر ہوگی۔ تکمیل کا عمل شعوری ہوگا۔ یہ نفسیاتی ہوگا۔ نوعی تکمیل ہو چکی، شعور نبوت، شعور محمد ﷺ میں پوری طرح ودیعت کر چکا ہے۔ اس کا اظہار اب انسانی شعور کی ترقی کے ذریعے ہوگا۔

سوم:

لوح محفوظ اور وحی مرکز علم ہے۔ علم کا معنی جاننا اور سمجھنا ہے۔ اس کے مقابل لفظ جہل ہے۔ جو نہ جانتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ لوح محفوظ مرکز علم ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ مناسب موقعوں پر انسانوں کو ہدایت و راہنمائی کے لئے علم نازل فرماتا رہا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ وحی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو انبیاء کے ذریعے انسانوں تک پہنچتا رہا ہے۔ قرآن کی صورت میں علم الٰہی کا جامع پیغام محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے سے تا قیامت انسانیت کی راہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے۔

لوح محفوظ مرکز علم ہے۔

وحی جامع علم ہے۔

اقراء، آغاز علم ہے۔

اقرار، مطلوب علم ہے۔

قلم، اسلوب علم ہے۔

انسان، امین علم ہے۔

نبوت، راہنمائے علم ہے۔

الکتاب، کتاب علم ہے۔

محمد ﷺ نور علم ہیں۔

محمد ﷺ واسطہ علم ہیں۔

علم کے حصول اور اس کے آشکارا ہونے کا یہ ایک مکمل نظام ہے، ہر جز دوسری جز سے جڑی ہوئی ہے۔ البتہ مطالبہ و مطلوب کی پکار و دعوت ''انسان'' کے گرد گھومتی ہے۔ انسانوں میں سے ہی انبیاء چُنے اور انسانوں کو حقیقتِ حُسن کی اہمیت بتائی اور فریضہ نبوت کے ساتھ فریضہ انسان کا تعین بھی کر دیا۔ یہ

Marfat.com

انسان ہی ہے جو ایک طرف خدا سے تعلق استوار کرتا ہے اور دوسری طرف حُسن کو بے نقاب کرنے کی مسلسل جدو جہد کر رہا ہے۔

قرآن میں اسی انسان کو مخاطب کیا گیا ہے، اسی کو علم کا مکلّف قرار دیا گیا ہے، **اوتوالعلم، علماء، عالمون، اولی العلم، ذی علم، تعلمون، تعلمون، یفقھون، یعقلون، تعقِلون، تتدبرون، یتدبرون، حکمت، ھدایت، اولی الالباب اور راسخون فی علم**۔ یہ قرآنی الفاظ علم کو انسان ہی کی میراث قرار دیتے ہیں۔

نظام زیست کی خوبی یہ ہے، نظام ہست و بود(۱۵) کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا اپنے مرکز (خدا) سے دور نہ ہو اور اُس کی ودیعت شدہ محسوس حقیقت کو مدنظر رکھے اور عشق محمد ﷺ کے جذبوں سے سرشار ہو کر راہنمائی کا طالب رہے۔ **راسخون فی لعلم** کی دُعا کرے اور حصول علم میں جدو جہد جاری رکھے۔

(۴)

اولیں اعلان نبوت اور مستقبل کا نصب العین:

اول- شعور حقیقت کیا ہے؟ اُسے پانے کی راہیں کیا ہیں؟

دوم- شعور نبوت کیا ہے؟ اُسے انسان میں منتقل کرنے کی سبیل کیا ہے؟

سوم- شعور انسان کیا ہے؟ معراج انسانیت کیا ہے؟

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (۱۶) کہتے ہیں:

''ختم نبوت اور تکمیل دین کے بعد فریضہ نبوت انسان کے سپرد کر دیا گیا ہے۔''

شعور حقیقت، اولین اعلان نبوت، شعور نبوت، ختم نبوت، تکمیل دین، فریضہ نبوت، کار نبوت، فریضہ انسان دراصل ''شعور انسان'' کا ہی بندوبست ولوازمات ہیں جسے ایک دن ''شعور حقیقت'' کو پانا ہے اور آشکار کرنا ہے۔ ''شعور حقیقت'' اپنی جگہ اٹل حقیقت ہے۔ اس حقیقت کی شعوری تصدیق نبوت ہے اور اُسی کو شعور نبوت کہا گیا ہے۔ لیکن شعور حقیقت کون ہے؟ کیا ہے؟ کس طرح ہے؟ اس کو محسوس اور مشاہدے کے رنگ میں عملی طور پر انسان نے ڈھالنا ہے۔ انسانی شعور تیزی سے شعور حقیقت کی بلندیوں

Marfat.com

کی طرف بڑھ رہا ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ بہت جلد وہ شعور حقیقت کے پردوں کو بے نقاب کر دے گا۔

شعور حقیقت خدا ہے۔ اول و آخر خدا ہے۔

اولین اعلان نبوت اقرار خدا کا اعلان ہے۔

شعور نبوت اول و آخر تصدیق شعور حقیقت ہے۔

ختم نبوت، محمد مصطفیٰ ﷺ کے شعور نبوت کی اول و آخر تصدیق ہے۔

تکمیل دین، محمد مصطفیٰ ﷺ کی آرزو و تکمیل انسانیت کا لائحہ عمل ہے۔

فریضہ نبوت، محمد مصطفیٰ ﷺ سے انسان کو منتقلی کا نام ہے۔

کار نبوت بذریعہ انسان جاری ہے اور جاری رہے گا۔

فریضہ انسان، فریضہ نبوت اور کار نبوت کی رواں کہانی ہے۔

فریضہ نبوت اور کار نبوت کے مقاصد ''شعور انسان'' کی تکمیل ہے۔

''شعور انسان'' کی تکمیل معراج انسانیت ہے۔ بلکہ:

یہی مقصود خدا ہے۔

یہی مقصود نبوت ہے۔

یہی مقصود محمد ﷺ ہے۔

یہی مقصود زندگی ہے۔

یہی مقصود انسان ہے۔

(۵)

آج کی دنیا:

ہم آج کی دنیا میں بستے ہیں۔ دنیا بہت بدل چکی ہے۔ آج کی دنیا کے مطالبات بالکل نئے ہیں۔ مطالبات انسانوں کے ہیں۔ انہیں پورا کیے جانے کا فریضہ کار نبوت کا ہے۔ کار نبوت انسانوں کے ہاتھوں عمل پذیر ہے۔ یہ انسان ہے جس کا ایک مطالبہ اولین اعلان نبوت کے بعد سامنے آیا اور انسان نے ہی سایہ نبوت میں اس کی تکمیل کی سعی کی اور آج پھر انسان کے یہی تازہ مطالبات ہیں۔ یہ تازہ مطالبات بھی سایہ نبوت کے تحت انسان نے ہی پورے کرنے ہیں مگر وہ اولین ماحول ہے اور نہ وہ

Marfat.com

ابتدائی شعور ہے۔ ماحول بدلا ہے۔ شعور ترقی پذیر ہوا ہے۔ مطالبات کی تکمیل شعوری ترقی کی تازہ منزل کی مناسبت سے ممکن ہے۔ قرآن بدلا ہے نہ حدیث میں فرق آیا ہے۔ اسی اصل کی بنیاد پر انسان بدل گیا۔ زندگی بدل گئی۔ شعور بدل گیا، مطالبات بدل گے۔ قرآن وحدیث وسنت کی پیروی میں انسان بدل گیا گویا قرآن وحدیث وسنت کا مطالبہ ومقصود یہ تھا کہ انسان بدل جائے، انسان باشعور ہو جائے اور انسان کا شعور جس بلندی پر پہنچ کر تازہ وبلند شعور آمیز مطالبات کرے تو قرآن وحدیث وسنت اسی سطح پر تازہ مطالبات کو تازہ کار نبوت کی شان پر پورا کریں۔ اولین اعلان نبوت سمیت، اصل قرآن واصل حدیث وسنت اپنی جگہ پر اپنے پورے جوہر کے ساتھ موجود ہیں۔ مگر انسان اپنے شعور کی بنیاد پر بہت اوپر اُٹھ گیا ہے۔ انسان جہاں پہنچ کر اپنے تازہ مطالبات کی تکمیل چاہتا ہے۔ یہ تکمیل قرآن اور حدیث و سنت پر عمل کرتے ہوئے انسان نے ہی ارتقائی منزلوں کے ذریعے حاصل کی ہے اور تازہ مطالبات کی تکمیل بھی انسان ہی اپنی ارتقائی منزلوں کے حاصل کو آگے بڑھاتے ہوئے، مگر قرآن اور حدیث وسنت کی تازہ روشنی سے حاصل کرے گا۔ انشاءاللہ

حواشی

۱- یہ مقالہ روایتی اصولِ تحقیق کے مطابق نہیں لکھا گیا بلکہ یہ خیال وفکر سارے کا سارا وجدانی ہے۔ البتہ زندگی مطالعہ و تحقیق میں ہی گزری ہے۔ اس کے باوجود نئے قاری کو سیرت سے متعلقہ بنیادی معلومات دینا لازمی ہے۔ دوسرا اس تحریر میں جس رُجحان کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ روح سیرت محمد ﷺ کو موجودہ عصری حالات و معاملات میں اور موجودہ عصری ذرائع کو استعمال کرتے ہوے راہنمائی وہدایت کے لئے بروئے کار لانا ہے۔

۲- سورۃ العلق آیت ۱ تا ۵

۳- نبوت محمدیہ ﷺ کا آغاز غار حرا میں ہوتا ہے۔ آپ ﷺ مہینوں تک اس غار میں عبادت کرتے تھے اور مراقبہ کرتے تھے۔ عبادت اور مراقبہ اور وہ بھی قبل از نبوت یا قبل از اسلام، بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ تحنُّث یعنی عبادت کرتے تھے۔ یاد رہے آخری نبوت سے قبل بھی سابقہ انبیاء کی متابعت میں عبادت ہوتی تھی اور آپ ﷺ کا خاندان سنت ابراہیمیؑ پر تھا اور آپ ﷺ جیسی عبادت نبوت سے قبل ابراہیمؑ نے بھی کی تھی۔

۴- یہ اولیت وآخریت کا راز پنہاں تھا۔ اَوَلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوریُ (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا) اور نَحنُ الاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْن (تمام سبقتوں کے باوجود بعثت میں ہم آخری ہیں) یہ بحث سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ مختصری بات تعارف میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''مدارج النبوت'' اردو (ترجمہ فارسی سے مفتی غلام معین الدین نعیمی) میں کی گئی ہے۔

Marfat.com

۵- یہ راز ''علم'' تھا۔ یہ ایک لائحہ عمل بھی تھا جو صرف انسان کے ساتھ ہے۔

۶- قریش مکہ کے ایک سردار عقبہ نے آپ ﷺ کو کچھ ترغیبات بمقابلہ نبوت دیں تو آپ ﷺ نے آیات قرآن تلاوت کیں: قل اِنما اَنا بشر، مثلکم یُوحیٰ الیَّ انما الٰھکُمَ الٰہ، واحِد، فَا ستقیموٗا الیہِ واَستغفِروہ۔حم السجدہ۔

اے محمد، کہہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ بس سیدھے اُس کی طرف جاؤ اور اُسی سے معافی مانگو۔ (سیرت النبی، شبلی نعمانی، جلد۔ا ص۲۲۵ ناشران قرآن۔لاہور۔)

۷- تم وہ بہترین اُمت ہو جو لوگوں پر مامور کی گئی ہو، جو لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتی ہے اور برائیوں سے منع کرتی ہے۔ (آل عمران ۳:۱۱۰)

۸۔ حاصل مطلوب اور باقی مطلوب پر سیرت پاک کے موضوع کے تحت مسلسل وتواتر سے لکھا گیا ہے۔ ان میں قدماء کی کتابوں میں محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ)، محمد بن عمر واقدی (م ۱۰۷ھ)، محمد بن سعد (م ۱۳۰ھ)، عبدالمالک بن ہشام (م ۲۱۸ھ) شامل ہیں۔ بعد میں ابن قیم، قاضی عیاض، برہان الدین حلبی کی سیرت پر کتب کو نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ برعظیم پاک وہند میں اردو زبان میں سیرت پر بے پناہ کام ہوا۔ سیرت کی معروف کتابوں میں سر سیّد احمد خان، امیر علی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (مدارج النبوت) شبلی نعمانی اور پیر کرم شاہ کی کتابیں شامل ہیں۔

۹۔ ایضاً

۱۰- علوم کے معروف ذرائع تین تصّور کیے جاتے ہیں۔ا۔ مذہب ووحی۔ب۔ عقل وفلسفہ۔ج۔حواس وسائنس۔

۱۱- ''حسن'' ایک محدود مضمون سے لامحدود مضمون تک بطور اصطلاح استعمال ہوتا ہے۔ عربی، انگریزی اور فارسی میں اس پر کمال بحثیں ہیں۔ اردو میں ابھی محدود ادب میں آتا ہے۔ البتہ اس موضوع پر علامہ محمد اقبال کے خطبات اور شاعری میں زبردست انداز سے لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ''حکمت اقبال'' اور ''روح اسلام'' میں جبکہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے ''تاریخ جمالیات'' دو جلدوں میں قلم اٹھایا ہے۔

۱۲- ''رہ'' سے مراد وہ شاہراہ حیات ہے جس پر اجتماعی انسانیت رواں دواں ہے۔

۱۳- ابن العربی

۱۴- کاشانی

۱۵- گلزار ہست وبود کو نہ بیگانہ وار دیکھ ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ (اقبال)

۱۶- ڈاکٹر برہان احمد فاروقی برعظیم کے معروف فلسفی ومفکر تھے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال اور ڈاکٹر ظفر الحسن کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے۔

Marfat.com

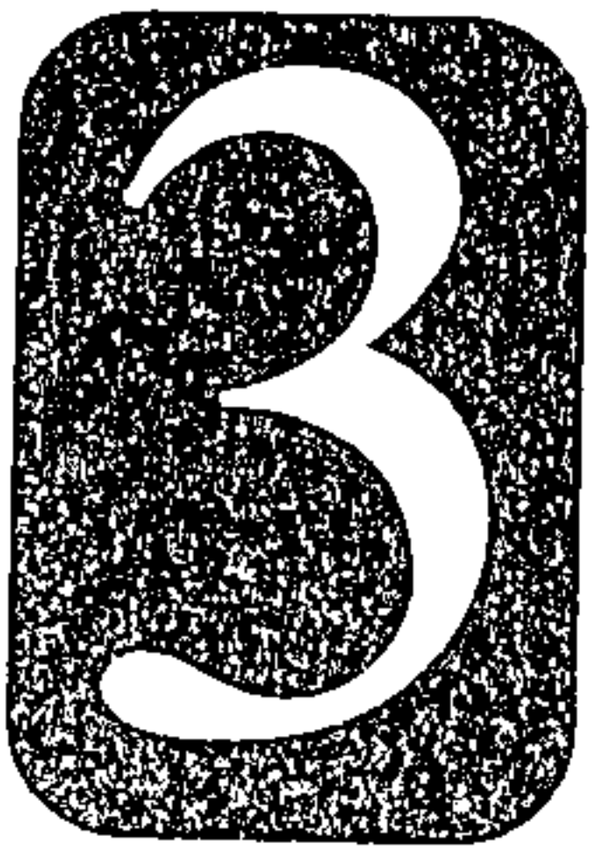

3

اعلان نبوت کا مرحلہ ہجرت اور اُس کی عصری اہمیت

وکذلک جعلنا لکل نبیٍ عدواً شیطینَ الانسِ والجنّ. (الانعام ۶:۱۱۲)

ترجمہ: اور اس طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن (بہت سے) شیطان، انسان اور جنات (دونوں) میں سے پیدا کر دیئے تھے۔(۱)

وکذلک جعلنا لِکُل نبیٍ عدُوّاً من المجرمین. (الفرقان:۳۱)

ترجمہ: اور ہم اسی طرح ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے ہیں۔ (۲)

مشیت الٰہی کے تحت یہ انتظام بظاہر حیران کن ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کا ارادہ تخلیق انسان، شیطان کا انکار، نبوت اور اُس کے لئے دشمن کا انتظام، انسانی کشمکش اور مزاحمت، پھر مزاحمت کی مزاحمت، یہ سب انتظام تو ذاتِ باری کا ہے۔ دراصل اسی انتظام میں حکمتِ باری تعالیٰ ہے۔ اسی انتظام سے رازِ ہستی نے آشکار ہونا ہے۔ یہی انتظام ہجرتِ مدینہ کا سبب ہے اور اسی انتظام کی کشاکشی عصر حاضر کا ماحول اور منظر ہے۔

آیات قرآنی صبح ازل سے انکار الٰہی کے کردار کے راز و حکمت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ لیکن ہجرت کے اشارے تو اوّلیں اعلان نبوت کے ساتھ ہی ملنے شروع ہو گئے تھے۔

Marfat.com

ا۔ جبریلؑ جب غارِ حرا میں پہلی وحی کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے؛ آپ ﷺ نے یہ ماجرا اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کو سنایا تو حضرت خدیجہؓ، آپ ﷺ کو لے کر اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو بستی کے بزرگ تھے اور نصاریٰ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خصوصی علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ ورقہ بن نوفل نے سارا ماجرا سن کر کہا کہ ''یہ وہی ناموس (جبریلؑ) ہے جو موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔'' پھر گہرے تفکر و توقف کے بعد کہا ''افسوس اس وقت میں کام آ سکتا، ہائے..... میری زندگی اُس وقت تک وفا کرتی جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی بلکہ بتکرار یہی بات دہرائی تو آپ ﷺ نے حیرت سے پوچھا کہ میری قوم مجھے نکال دے گی۔ کہا ہاں تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی۔ (۳)

ب۔ مکہ میں مزاحمت کے دنوں میں آپ ﷺ نے صحابہؓ سے خواب ہجرت کا تذکرہ کیا اور سرسبز مقام کی نشاندہی کی چنانچہ قیاس میں یمن یا بحرین کی بات ہوئی۔ (۴)

ج۔ حضرت ابوبکرؓ نے مکہ کے لوگوں کے مظالم کے پیش نظر ہجرت کا ارادہ آپ ﷺ پر ظاہر کیا تو فرمایا، انتظار کرو شائد تمہارا ساتھ بن جائے۔ (۵)

یہ انتظام الٰہی کے غیبی اقدامات طے ہوتے ہیں۔ وقت پر امر ہوتے ہیں ہاں مگر اہل علم و فکر کو آثار نظر ضرور آتے ہیں۔ اسی لیے ہمارا عنوان فکر نبوت کے مقاصد و مطلوب ٹھہرا ہے۔

نبوت کے مقاصد و مطلوب کو قبل ازیں ہم نے بیان کیا ہے:۔

۱۔ نبوت کا بنیادی مطالبہ کیا تھا؟ (۶)

۲۔ نبوت کا بنیادی مطلوب کیا تھا؟ (۷)

۳۔ نبوت کا حاصل مطلوب کیا ہے؟ (۸)

۴۔ نبوت کا باقی مطلوب کیا ہے؟ (۹)

نبوت خدا کا خوبصورت نظام ہے۔ اس کا ایک آغاز ہے اور اس کا ایک اختتام ہے۔ اس کا آغاز پہلے انسان، آدمؑ سے ہے اور اس کا اختتام محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہو چکا ہے۔ نبوت کے نظام کا پہلا کردار

Marfat.com

زندگی کے نصب العین کو بیان کرنے پر مامور ہوا تو پھر یہ سلسلہ رُکا نہیں۔ زندگی جوں آگے بڑھتی اور مقصدی لحاظ سے قدرے تذبذب کا شکار ہوتی تو نظام نبوت کا اگلا کردار ظہور پذیر ہو کر زندگی کو مقصد کے قریب رکھنے پر مامور ہو جاتا۔ زندگی صدیوں کی مسافت طے کرنے کے بعد بالآخر محمد ﷺ کی آخری نبوت پالیتی ہے۔ تخلیق آدمؑ کے بعد کائنات و زندگی کی جاری رو میں یہ دوسرا بڑا فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ ایک نظام تھا جو اختتام پذیر ہو رہا تھا۔ ایک نظام تھا جو نئے سرے سے آغاز کر رہا تھا۔

نظام جو اختتام پذیر ہو رہا تھا، سلسلہ نبوت کا تھا۔ آغاز جو ہونے جا رہا تھا، وہ کارِ نبوت کا تھا۔ خاتمہ نبوت کا ہوا مگر فریضہ نبوت و کارِ نبوت کو جاری رکھنے کا نظام برقرار رہا۔ نبی کی عدم موجودگی میں فریضہ نبوت کون ادا کرے گا؟ یہ کل بھی بنیادی سوالات تھے اور آج بھی بنیادی سوالات ہیں۔

محمد ﷺ کا ظہور دراصل اس بات کا اعلان تھا کہ زندگی اُس مرحلہ کو عبور کر گئی ہے جہاں اُسے مقصدیت کے فیصلہ کن شعور و پہچان کا مرحلہ درپیش تھا۔ خدا کی وحدانیت و یکتائی کا شعور اور واحد مقصد کا شعور آپ ﷺ کی نبوت کا فیصلہ کن کارنامہ ہے۔ خدا اور شرک کے تضادات مقصدیت میں رکاوٹ تھے۔ نبوتِ محمدی ﷺ نے اس ابہام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ خانہ خدا بتوں سے خالی کرانے کا مقصد علامتی طور پر ایک خدا کا شعوری اعلان تھا۔ زندگی کا مقصد واضح ہوا۔ انسان کو باقی سفر میں مقصد کی حاجت نہیں رہی بلکہ محض مقصد کے حصول کے لئے اپنی صلاحیتیں صَرف کرنے کا موقع میّسر ہو گیا۔ گویا نظامِ نبوت کا اختتام اس بات کا غماز تھا کہ مقصدیت کی نظری پہچان کا مرحلہ مکمل ہو گیا ہے، اب اُسے پانے کا مرحلہ درپیش ہے۔

آپ ﷺ کی نبوت چوں کہ آخری و تکمیلی ہے اس لئے اس میں جہاں زندگی کی جدوجہد کا پہلا مرحلہ مکمل ہوتا ہے وہاں نظام نبوت کے تکمیلی مرحلوں کا لائحہ عمل بھی دے دیا جاتا ہے۔ مشکل امر مقصد کی نظری پہچان اور تصدیق تھی جو آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے زندگی کو مقصد حاصل کرنے کی جاری جدوجہد کو ایک حوصلہ دیا اور زندگی کا یہ سفر مضبوط بنیادوں پر مقصدیت کے حصول کے لئے آگے بڑھنے کی فیصلہ کن بنیاد بن گیا۔ مقصدیت ہی دراصل فکریت، کرداریت، عملیت اور نتائجیت کا سبب بنتی ہے۔ ہماری آئندہ گفتگو اس ترتیب سے ہوگی:

Marfat.com

۱۔ اُمت کے تشکیلی مرحلے۔

۲۔ مقصدیت کے نصب العینی تعینات۔

۳۔ کرداریت کے عملی تعینات۔

۴۔ معاملات میں فکریت کے تعینات۔

۵۔ معاملات میں عملیت کے تعینات۔

۶۔ نبوت محمدی ﷺ کا زمانی ارتقاء ونتائجیت۔

۷۔ آئیدہ زمانی ارتقاء کے تعینات۔

۱۔ اُمت کے تشکیلی مرحلے:

اُمت کی تشکیل کے تین مرحلے ہیں:۔

ا۔ اوّلیں اعلانِ نبوت، مکی لوگوں کا ردِ عمل۔

ب۔ مدینہ آمد اور تشکیل اُمت کی مضبوط بنیادیں۔

ج۔ اُمت تعمیری و تکمیلی ارتقاء کی راہوں پر۔ (تاریخ اور عصر حاضر)

ا۔ خدا کی طرف سے محمد مصطفےٰ ﷺ کو غارِ حرا کی تنہائی میں نبوت کی با قاعدہ خبر دے دی گئی اور بطور ثبوت چند آیات (سورۃ العلق) بھی عطا کر دی گئیں۔ البتہ آپ ﷺ نے اس کا با قاعدہ اعلان کچھ عرصہ بعد کیا تو خاندان اور مکہ والوں کا ردّ عمل مثبت نہ تھا۔ لیکن جیسے خدائی نظام ہے خاندان اور احباب میں سے بعض سلیم الفطرت اشخاص نے دعوت قبول کی اور آپ ﷺ کو نبی تسلیم کرنے کا اعلان کیا یوں اُمت واحدہ کی داغ بیل پڑی اور یہ ہراول دستہ آپ ﷺ کی سربراہی میں اُمت کی تشکیل کا ابتدائی کارواں ٹھہرا۔

مکی لوگوں کا نئی نبوت ونئی اُمت کے خیال کے خلاف ردعمل شدید تھا اور وقت کے ساتھ شدید تر ہوتا گیا۔ تاریخی روایت اور سماجی کہانی کے مطابق یہ ردعمل ایک قدرتی عمل تھا۔ ایک عقیدہ جو سماج میں پہلے سے جاری ہو اور ایک نبوت کے پہلے سے لوگ پیروکار ہوں، وہاں نئے نبی اور نئے عقیدے کی بات کرنا نہ تو آسان ہے اور نہ اُسے سُننا یا قبول کرنا ہی قابلِ برداشت ہوتا ہے۔ ایسا سب

Marfat.com

کچھ مکی معاشرہ میں ہوا۔ مخالفت ہوئی اور ہر پیمانے پر ہوئی یہاں تک کہ شعب ابی طالب جیسی صورت حال بھی پیدا ہوئی۔ غالباً ہر سماج کی اپنی ایک شعوری نوعیت ہوتی ہے اور فکری پختگی ہوتی ہے، اُسی مناسبت سے قبولیت اور ردعمل سامنے آتا ہے۔ شدید ردعمل یہ ظاہر کرتا ہے کہ معاشرہ پہلے سے موجود اور جاری عقیدے پر سختی سے کاربند تھا مگر سخت جمود کا شکار ہو چکا تھا جو کارواں انسانیت کے آگے بڑھنے کے لئے رکاوٹ کا باعث تھا۔ یہ رکاوٹ تب ہی دور ہو سکتی تھی جب پہلے سے جاری عقیدے کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور اور مکمل عقیدہ ظہور میں آئے۔ آپ ﷺ ایسا ہی عقیدہ لائے۔

ب۔ عمل وردعمل اور مزاحمت کے اس ماحول میں اُمت کی داغ بیل ڈالی جا چکی تھی۔ شائد یہی مشکل مرحلہ تھا جو طے ہوا۔ نئی نبوت کو ماننے والوں نے مان لیا اور جنہوں نے انکار کرنا تھا، اعلانیہ کر دیا، ایسے موقع پر عقیدہ و تبلیغ کے مزید فکری اثرات مرتب ہونے ناممکن نہیں تو مشکل ہو جاتے ہیں۔ پتھروں سے مزید ٹکرانے کے بجائے نرم زمین کو ترجیح دی جاتی ہے۔ نبی آخر ﷺ نے مکہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا مگر اس فیصلہ کی بھی مزاحمت کی گئی اور ہجرت سے روکنے کی کوشش کی گئی۔ مگر ایسے ہوتا نہیں جنہوں نے آگے بڑھنا ہوتا ہے وہ رُکتے نہیں اور پھر جنہیں اُمت کا والی اور نگہبان بننا ہوتا ہے وہ کب رُکتے ہیں۔ یوں آپ ﷺ یثرب کی وادی میں پہنچ جاتے ہیں۔ تاریخوں اور سیرت النبی کی ابتدائی کتابوں میں مکہ اور مدینہ کا فاصلہ لکھا گیا۔ اس فاصلہ کی نوعیت کو کتابوں میں پڑھنے سے ایک تصوری ذہن پیدا ہوتا ہے مگر جن لوگوں کو آج بھی مکہ اور مدینہ کے دوران سفر کرنا پڑا ہے وہ ملاحظہ کرتے ہوں گے کہ عملی لحاظ سے یہ بڑا ہی دشوار گزار سفر ہے۔ اب عمدہ سڑک پر بس یا کار پر سفر کیا جاتا ہے اور قریب قریب ایک دن کا سفر ہے۔ کس قدر بے آب و گیاہ ہے، دیکھنے سے خوف آتا ہے۔ پہاڑی ٹیلے زیادہ نہیں اور درخت کا تصوّر نہیں البتہ جلے ہوئے پتھر اور زمین اب بھی پوری طرح موجود ہیں، تب کیا ہوا ہوگا۔

آپ ﷺ کی یثرب آمد ایک کامیاب حکمتِ عملی ثابت ہوئی۔ عزت و احترام سے آپ ﷺ کا استقبال ہوا۔ آمد کے بعد بھی کافی عرصہ تک مزاحمت نہیں ہوئی اور آپ ﷺ کو اُمت کی تشکیل کے لئے بہترین موقع میسّر ہوا اور آپ ﷺ نے کامیابی کی مضبوط بنیادیں رکھ دیں۔

ج۔ مدینہ منورہ میں آمد، وہاں اسلام کا دائرہ وسیع ہونا، اسلام کی تبلیغ کا محبت کی بنیاد پر

Marfat.com

استوار ہونا، یثرب کے معاشرتی ماحول کو سلیقے سے بدلنا، ریاستی نظام کی ٹھوس اصولوں پر بنیاد رکھنا، قانون قدرت کے تحت مکی مزاحمت کا مقابلہ کرنا اور پھر اس مزاحمت کا کامیاب خاتمہ، گرد و نواح کی مزاحمتوں کا قلع قمع کرنا، عقائد و عبادات کے دلنشیں طریقوں کو روشناس کرانا اور انسانی نصب العین کے تازہ تعین و راہنمائی کا حسین تصور دینا، ایسا عمل تھا جو اُمت کی تشکیل و تعمیر کلی کی ایک ٹھوس بنیاد تھی جو تکمیلی راہوں پر آج بھی مسلسل آگے بڑھ رہی ہے۔ اُمت کا سفر نصب العینی انداز سے مسلسل آگے بڑھ رہا ہے۔

آپ ﷺ پر نبوت مکمل ہوئی اور آپ ﷺ نے جو پیغام دیا وہ بھی مکمل و آخری تھا۔ اُمت جو تشکیل کی وہ بھی آخری گروہ اُمت بنا۔ سابقہ اُمتوں کے مقابلے میں پابندیاں زیادہ لگائی گئیں کیوں کہ اسی اُمت کے ذریعے نصب العین حاصل ہوگا۔ سفر طویل ہے اس لئے مسافروں کو سخت جان ہونا پڑے گا۔ اسی اُمت کے ذریعے نیکی اور خیر کی دعوت کا فریضہ سونپا گیا اور شر والے کاموں سے منع کرنے کی ذمہ داری لگائی گئی۔ چودہ صدیوں میں کئی نشیب و فراز آئے، اُمت نے دوسرے گروہوں کی راہنمائی کی۔ انسان بحیثیت مجموعی اپنے نصب العین کی طرف بہت تیزی سے آگے بڑھا ہے۔ قرآن و سنتِ رسول ﷺ نے کسی نہ کسی انداز میں انسانیت پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ ایک وقت میں اُمت کے انسانوں نے براہِ راست قیادت کی اور باقی ادوار میں قرآن و سنت کی فکری رو انسانیت کی فکری رو میں داخل ہو کر انسان کو آگے بڑھنے کا جذبہ محرکہ دیتی رہی ہے۔ یہ جاری ہے۔ یقیناً موجودہ مادی دور کے عروج کے بعد اُمت ہی انسان کو روحانی اطمینان کی راہوں پر راہنمائی دے گی۔

۲۔ مقصدیت کے نصب العینی تعینات:

اوّلیں اعلانِ نبوت ﷺ کے وقت اور نزول وحی کے پہلے لفظ کی آمد نے غارِ حرا کے تنہا خانے میں انسانیت کی کامیابی کا نسخہ کیمیا دیا۔ ''اقـــــــرأ'' یعنی پڑھنے یا جاننے کا حکم اوّل یہ ہے کہ تمہارا اوّل و آخر مقصدِ وحید ''رب تعالیٰ'' ہے۔ ایمانیات وہ نصب العین ہے جو اُمت کی تشکیل اور اُس کی جدو جہد کا سنگ اول ہے۔ یاد رہے اُمت کی تشکیل محمد مصطفےٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ماننے سے وابستہ کر دی گئی اور اُس کی نصب العینی جدو جہد ''لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہُ'' قرار دی گئی۔ (۱۰)

جو بات سب سے اہم ہے وہ یہ کہ ایمان کا مطالبہ انسانیت کی اساس پر کیا گیا اور ذہن صرف

Marfat.com

اُمت کے انسانوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ ماضی، حال اور مستقبل کے ہر انسان کے احترام کا وعدہ لیا گیا۔

ایمان کا جزوِ اوّل ایک خدا پر یقین کا ہے اور انسانیت کے لئے یہ مطالبہ دو حوالوں سے نیا نہیں ہے۔ اوّل یہ کہ حُسن ازلی کی جھلک معرض وجود میں آنے والی انسانیت اپنے ظہور سے قبل دیکھ چکی ہے۔ دوسرا ماضی و حال کا کوئی بشر ایسا نہیں گزرا جو خدا کو اپنے انداز سے صحیح نہ مانتا ہو۔ اس لئے یہ کائناتی نصب العین ہی اُمت مُسلمہ کا نصب العین ٹھہرا اور نبی آخر محمد ﷺ نے اس نصب العین کو احسن انداز سے لوگوں کے سامنے رکھا جو بالآخر سب کا مدعا ٹھہرے گا۔

دوسرا مطالبہ نبوت اور رسالت کا تھا۔ اُمت تو وہ کہلائے گی جو محمد مصطفےٰ ﷺ کو رسول اور نبی آخر ماننے والے ہوں گے مگر اُمت سے باہر کے انسانوں کو دعوتِ حق کا فریضہ سرانجام دینے کے باوجود سابقہ نبیوں کی تحقیر یا تنقید کا کوئی راستہ یہ کہہ کر بند کر دیا کہ اُمت کا رکن سابقہ تمام انبیاء پر اُن کے برحق ہونے پر اسی طرح یقین رکھے گا جیسے مجھ پر کیا جائے گا۔ نصب العینی مقصدیت کو ماضی کے ساتھ جوڑ کر آپ ﷺ نے ایک دوررس اور انسانیت نواز سبق دیا۔ گویا انسانیت کا یہ سفر جاری رکھنے کے لئے ماضی کے تسلسل کو نظر انداز نہیں کیا۔

فرشتوں پر ایمان کے لئے زور دینا اور اُسے جزو ایمان قرار دینا دراصل ایک ایسی تیسری نوع کی اہمیت کو باور کرنا تھا جو پورے نظام کائنات و ہستی کو چلانے میں معاون ہے۔ یہ نوری مخلوق ہے اور خدا کے نظام کے کارکن ہیں جن کی تخلیق بھی کن سے ہوئی اور خدا کی عین مرضی کے مطابق کائنات کے امور میں شامل ہیں۔ تیسری نوع کی ضرورت، حیثیت اور اہمیت کو اُجاگر کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ انسانوں میں سے خدا تعالیٰ نے جن کو نبوت کے تحت انسانوں کی راہنمائی کے لئے منتخب کرنا ہے، آخر اُن سے رابطے کا ذریعہ کیا ہے؟ تمام انبیاء تک پیغام نبوت لانے والا اور پھر وقتاً فوقتاً وحی لانے والا فرشتہ جبرائیلؑ ہی رہا ہے۔ اس لئے آج کسی مذہب کا کوئی پیروکار یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ اُس کے نبی کا طریقہ مختلف تھا۔

ماضی کے تمام انبیاء پر ایمان لانا جہاں اُمت میں داخلے کی شرط ہے وہاں سابق تمام

Marfat.com

معلوم ونامعلوم کتابوں اور صحائف کو وحی الٰہی کی حیثیت سے تسلیم کرنے کا حُکم دیا گیا ہے۔ یہی باتیں دراصل اسلام کی تعلیمات کو آفاقی اور انسانیت نواز بناتی ہیں۔ محمد ﷺ پر وحی نازل ہوئی جو تدوین و جامعیت کے ساتھ ایک ایسا معجزہ ہے جس پر عقل و دلیل سے انگلی نہیں اُٹھائی جاسکتی۔ قرآن کو جو نہیں مانتے، اس کی معجزانہ حیثیت کے وہ بھی منکر نہیں۔ ماننا تو بہر حال نہ ماننے کا ردعمل ہے اور یہ عمل وردعمل جاری رہتا ہے۔ قرآن انسانیت کے لیے ایک راہنما کتاب ہے جو اس میں ڈوبتے ہیں اُن پر زیادہ روشن ہوتی ہے البتہ دعوت ساری انسانیت کی راہنمائی کے لیے ہے۔ ہر انسان چاہے تو استفادہ کرسکتا ہے سوال صرف یہ ہے کہ کسی مسلمان یا غیر مسلم کو راہنمائی کی حاجت کب ہوتی ہے؟

مدنی زندگی کے بامقصد نصب العین کے تعین کے باب میں ایک مقصد آخری زندگی پر ایمان بھی ایک شرط تھی۔ حیات، خدا کے ''کن'' کا نتیجہ ہے اور اُس کا ظہور مٹی سے بنی جسامت میں ہوتا ہے۔ انسان کے اندر دوسرے تمام ذی حیات کے مقابلے میں اعلیٰ سطحی حیات رکھی گئی۔ موت ایک جہاں سے دوسرے جہاں میں منتقل ہونے کا نام ہے اور یہ موقع دنیا میں دیا گیا یہ دراصل حسن ازلی کو پانے کی جدوجہد ہے۔ موت کے بعد یہ جدوجہد جاری رہتی ہے۔ جہاں سے دنیا میں سبق چھوڑا ہوگا وہاں اُس سے آگے کا سبق یاد کرنا پڑے گا۔

۳۔ کرداریت کے عملی تعینات:

نصب العین سے محبت اور اُس کے پانے کی جستجو ایک مخصوص کردار کا تقاضا کرتی ہے۔ آپ کے اُن اعمال سے ہی یہ تعین ہوتا ہے کہ آپ کا نصب العین کیا ہے؟ آپ ﷺ نے بامقصد نصب العین کے تعین کے بعد اس بات پر توجہ مبذول کی کہ لوگوں کے معمولات کو نصب العین کے ساتھ کسی طرح ہم آہنگ کیا جائے تاکہ اُن کی زندگی ایک بامقصد زندگی نظر آئے۔ اس کردار کی تشکیل کے لئے عبادات کا ایک نظام وضع کیا جو بتدریج وحی سے موصول ہوتا رہا۔ یثرب میں رہنے والے مذہبی و غیر مذہبی گروہوں میں کردار سازی کا اپنا ڈھانچہ موجود تھا مگر ان کا نصب العین جس طرح واضع نہ تھا اُسی طرح اُن کی عبادات کا نظام بھی خام تھا۔ اس لئے نیا عباداتی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا جو مسلمانوں میں پوری طرح جاری ہے اور سچی بات یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے معاشروں میں مسلمان کی پہچان اور امتیاز یہ عبادات

Marfat.com

ہیں اور جنہیں آپ ﷺ نے خود بھی سرانجام دیا۔

معروف عبادات یہ ہیں:۔

۱۔ نماز

۲۔ روزہ

۳۔ زکوٰۃ

۴۔ حج

۵۔ جہاد (۱۱)

عبادات کا مقصود ایک انسان کو ایسے کردار میں ڈھالنا ہے جو بامقصد نصب العین کے حصول کے لئے مثالی ہو۔ نماز بھی خدا سے رجوع کا طریقہ ہے مگر روزہ کی عبادت کا رنگ اپنا ہی ہے اور دوسرے انسانوں کو بامقصد نصب العین کی جدوجہد میں لانے والی معاشی مشکلات کو حل کرنے کے لئے رقم دینا عبادت کی ایک اعلیٰ شکل ہے جسے حقوق العباد کے زمرے میں رکھ کر یہ باور کرایا گیا کہ جہاں خدا کی عبادت ہے وہاں انسان کی خدمت شرط ہے۔ ہر مسلمان کی زندگی میں ایک بار خانہ خدا کی حاضری (حج) پر کئی انعامات سے نوازنے کا اعلان کیا اور بامقصد نصب العین کی جدوجہد میں جب ایسے مواقع آجائیں کہ باقی رہنے اور آگے بڑھنے کے لئے سروں کی قربانی درکار ہو تو اعلان فرمایا کہ جہاد میں جس کا سر کٹا وہ سیدھا مراد پا گیا۔ وہ سیدھا بامقصد نصب العین ایک ہی جست سے پا جائے گا۔ وہ حسن ازلی کے دیدار کو دیکھ پائے گا حالانکہ باقی کے لئے یہ صدیوں کی جستجو کا معاملہ ٹھہرا ہے۔ جہاد کا یہ ایک پہلو ہے جب کہ دوسرا پہلو جان دینے کے عمل سے کم نہیں ہے۔ یہ دوسرے انسانوں سے جہاد نہیں ہے۔ یہ اپنی ذات کے اندر بیٹھے انسان سے جہاد ہے۔ نفس سے جہاد کے کئی مراتب، کئی شکلیں اور کئی مرحلے قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں خصوصاً اولیاء وصوفیاء نے اس پہلو پر جہاد کی باریکیوں سے آگاہ کیا ہے۔ جہاد کا یہ پہلو بھی ایک طرف انسانیت نواز ہے اور دوسری طرف نصب العینی یعنی حُسن ازلی کے حصول کا زادِ راہ ہے۔

۴۔ معاملات میں فکریت کے تعینات:

ایمان واقرار دراصل نصب العین سے عشق کا اعلان ہے۔

Marfat.com

عبادات عشق کی راہ سلوک ہیں۔ایمان وعبادات تیاری کے مراحل ہیں۔اُس کردار کوسنوارنے کا عمل ہے جسے سرگرم و دمادم دنیا کے معاملات میں داخل ہونا ہے۔نبرد آزما ہونا ہے اور سرخرو بھی ہونا ہے۔ زندگی آپ ﷺ کی نبوت سے قبل بھی رواں تھی اور بعد میں بھی رواں ہے۔لیکن آپ ﷺ نے زندگی کو جوصورتِ کردار دی اُس سے زندگی اور رواں ہوئی ہے بلکہ تاباں ہوئی اورزندگی کی روانی رُکی نہیں جاری ہے۔اورمزید تاباں ہوتی جارہی ہے۔

معاملات دراصل ایمان اور عشق کی امتحان گاہ ہیں۔آپ نے اقرار کیا اور عبادات کے عمل سے بھی گزرتے ہیں مگر معاملات دنیا میں آپ اقرار وایمان پر ثابت ہونا اپنے کردار سے ثابت نہیں کرتے تو محض اقرار ومحض عبادات کوئی معنی نہیں رکھتیں۔جاری معاشرے میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں لاتے تو گویا ایمان وعبادات کے معنی آپ سمجھے نہیں۔آپ ﷺ نے یثرب کے سماجی ڈھانچے میں تبدیلی کرکے دکھائی۔لوگوں نے ایمان لایا اور عبادات سے گزرنے لگے اور یثرب کا پہلے سے موجود سماج بدلنے لگا۔انسانوں میں نفرت کے بجائے محبت کا عنصر زیادہ غالب آنے لگا،رویے بدلنے لگے،مقاصد بدلنے لگے،نفرتیں کم ہونے لگیں،جھگڑے کم ہونے لگے،عورت کو وقار ملنے لگا،بیٹی کی توقیر بڑھنے لگی، بیوی کا مقام بلند ہونے لگا۔یہ تھے ابتدائی تبدیلی کے نقوش جو یثرب کے معاشرے میں پائے جانے لگے۔

آپ ﷺ نے معاملات کے اندر ایک فکر کو اوّلیت دی۔ایک مقصد کو پروان چڑھایا۔ایک نصب العینی رو سے روشناس کرایا۔زندگی کو سمت دی۔وحی کے ذریعے مسلسل اللہ تعالیٰ نے آپ کی راہنمائی کی اور پھر قرآنِ حکیم مکمل بھی ہوگیا۔آپ ﷺ کا اُسوہ حسنہ لوگوں کے لئے بطور مثال ونمونہ تھا۔ تبدیلیاں جونمونہ بنیں اوراس نمونہ کا ایک ارتقاء جاری ہے۔تبدیلیوں کا یہ سلسلہ مسلسل اور متواتر انسانی معاشروں میں آگے بڑھا ہے۔(۱۲) یہاں محض نشاندہی کی جانی مقصود ہے:۔

- ایک باقاعدہ فکر دی:

خدا اور انسان کے تعلق کو باقاعدہ ایک فکری سمت عطا کی کہ یہ کہانی ہی دراصل محبوب کے بچھڑنے اور پانے کی ہے۔کارِ جہاں دراز ہے اس لئے وصل کا انتظار کرنا ہی پڑے گا۔(۱۳)

Marfat.com

- سماجی زندگی کے قواعد وضوابط کا باقاعدہ تعین:

خاندان کی بنیادی معاشرتی اکائی کو نصب العین سے جوڑے رکھنے کے ضابطے مقرر کیے جن میں عورت کی حیثیت کو نیا مقام دیا اور حق انسانی کو غلامی اور استحصال سے بلند کر دیا۔ زندگی کے ہر قدم کے لئے قوانین مقرر فرما دیئے۔(۱۴)

- اقتصادی ضابطوں کا باقاعدہ اجراء:

زندگی کی روانی کا دارومدار معاشی خود کفالت پر ہے۔ اس اصول کو اُجاگر کیا، زمین و جائیداد کے ضابطے مقرر فرمائے۔ اہم ترین ضابطہ زکوٰۃ کا تعین اور انسان کو استحصال سے نجات دلانے کے سودی نظام کا خاتمہ تھا۔ یہ ضابطہ تا قیامت جاری رہنے والا ہے۔(۱۵)

- اقرار، اقراء اور قلم کی حکمت کا تعین:

علم ہی انسان کا امتیازی وصف ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ تعلیم کو ضروری قرار دیا اور اقرار، اقراء اور قلم کی نسبت سے ایک مستقل و مسلسل ضابطے سے باندھ دیا۔(۱۶)

- انصاف کے لئے قوانین کا احیاء:

سماجی، اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں جاری ضابطوں کی نصب العینی لحاظ سے اصلاح کی۔ عورت کے نکاح وطلاق کے علاوہ قانون وراثت اور حدود کا مقرر کیا جانا دوررس نتائج کا حامل عمل تھا۔(۱۷)

- اخلاقیات کے اطلاقی اصول وقوانین:

نصب العینی جستجو والے سماج کا اخلاقی معیار وشعور مثالی ہونا ضروری ہے۔ انسانی زندگی کی ہر حرکت اور ہر قدم کے لئے اخلاقی ضابطے روشناس کرائے۔ ''السلام علیکم'' سے لے کر راستے سے کانٹا ہٹا دینے تک اخلاقی راہنمائی کی بنیاد رکھی۔(۱۸)

- حاکمیت کے ضابطے:

عمرانی حرکت عمرانی معاہدے کی مرہونِ منت رہی ہے۔ ایک باقاعدہ عمرانی معاہدہ معرض

Marfat.com

وجود میں آیا اور میثاق مدینہ کے نام سے معاہدہ عمرانی کی تشکیل ہوئی اور اہم بات اس میں یہ تھی کہ بلا تفریق، مذہب ورنگ دستخط ہوئے مگر نصب العینی سمت کو سب فریقوں نے تسلیم کیا۔(۱۹)

۴۔ آفاقیت اور مستقبلیت کے ضابطے:

اُمت کو انسانیت کی راہنمائی کے لئے قرآن وسنت کو حجیت قرار دیا گیا۔ آفاقی حرکت کے لئے بھی قرآن وسنت کفایت کرتے ہیں اور ہر دور کے انسان میں انفرادی واجتماعی وقومی مستقبل کے لئے فکری جذبہ موجود ہے البتہ خطبہ حجتہ الوداع کے موقعہ پر آپ ﷺ نے زندگی اور انسانیت کے لئے جو پیغام دیا وہ دراصل زندگی اور انسانیت کا حقیقت تک رسائی کا ٹھوس اور مکمل لائحہ عمل ہے۔(۲۰)

جو نصب العین، زندگی کے جو اصول وضابطے، آگے بڑھنے کی جو حکمتِ عملی آپ ﷺ نے پیغمبرانہ شان سے دی ہے اُس کا یقینی پہلو یہ ہے کہ انسانی زندگی انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنی پوری صحت کے ساتھ آگے بڑھی ہے۔ دراصل پوری صحت کے ساتھ باقی رہنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ اور حکمتِ عملی ہی پیغمبرانہ شانِ کمال ہے اور انسان کا پیغمبرانہ اقرار وایمان کے سائے میں آگے بڑھنا بھی اقدام وخطا کا عمل ہے کیوں کہ یہ ضابطہ الٰہی ہے۔ انسان اقدام وخطا سے نہ گزرے تو ضابطہ الٰہی کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔ یہ شان الٰہی اور حکمتِ الٰہی ہے۔

۵۔ معاملات میں عملیت کے تعینات:

اصول وفکر کا تعین ایک بات ہے۔ ان کو انسانوں کے جاری معاشرے کا حصہ بنانا اصل اہمیت کی بات ہے۔ گو انبیاء کے ذمہ معاشرے کو عملی صورت میں ڈھالنا نہیں ہوتا بلکہ جاری معاشرے میں درآنے والی ایسی خامیوں کی نشاندہی ہوتی ہے جو مثبت راہ پر آگے بڑھنے میں رکاوٹ بنتی ہیں محمد ﷺ سردار انبیاء اور آخری نبی ہونے کے ناطے زیادہ ذمہ داریوں کے حامل ٹھہرے اور معاشرے کو عملی طور پر بدلنے کے لئے بطور ایک عملی نمونہ کے اقدامات کیے۔

معاملاتِ زندگی، معاملاتِ معاشرہ، معاملاتِ انسان نوع بنوع سماج کے ہوتے ہیں۔ عرب کے جس مخصوص سماج میں آپ ﷺ کا ظہور ہوا۔ اُس کی اپنی ایک صورت، نوعیت اور سطح تھی۔ آپ ﷺ

Marfat.com

نے اُسے بدلنے کے لئے عملی اقدامات کیے اور ایک نئے معاشرے کے ساتھ ایک نئی اُمت وقوم کی بنیاد رکھی۔ وہ عملی اقدامات اور نتائج کا ایک مختصر منظران عنوانات سے دیکھا جاسکتا ہے۔ تفصیلات سیرت کی کتب میں موجود ہیں:

۱۔ دورِ نبوی میں قیام ریاست اور اُس کی فعالیت کا نئے سرے سے قیام ممکن بنایا۔

۲۔ اقراء اور قلم کی نسبت سے تعلیم کی باقاعدہ تنظیم قائم کی۔

۳۔ دورِ نبوی میں عدالت وانصاف کی نئی بنیادیں دیں۔

۴۔ دورِ نبوی میں تجارتی سرگرمیوں کو نئے سرے سے منظّم کیا۔

۵۔ خواتین کو معاشرتی ترقی میں باعزت مقام سے نوازا۔

۶۔ کثیر القومی معاشرے کی عملی شکل کا نمونہ پیدا کیا۔

۷۔ تبلیغ اسلام کا انسانیت دوست انداز روشناس کرایا۔

۸۔ بین الاقوامی تعلقات کی داغ بیل ڈالی۔

۹۔ دورِ نبوی میں دفاعی نظام اور جہاد کا ایک نظام قائم کیا۔

۶۔ نبوت محمدی ﷺ کا زمانی ارتقاء ونتائج:

زمانی ارتقاء کی بنیادیں۔(۲۱)

- عوامی شرکت کو بصورت خلافت ممکن بنایا۔
- محمد مصطفےٰ ﷺ کا اُسوہ حسنہ بطور معیار متعین ہونا۔
- قرآن مجید، تدوین واشاعت کے ساتھ معیار ہدایت باور کرنا۔
- حدیث، تدوین واشاعت کے ساتھ معیار سنت قرار دینا۔
- قانون شریعت (فقہ) کے لیے عملی اجتہاد کا قیام واشاعت کو روا رکھنا۔
- روحانیت وصوفیانہ طریقوں کا روبہ عمل ہونا۔
- عقلی وفلسفیانہ علوم میں پیش رفت۔
- حسی وسائنسی علوم کی بنیادیں فراہم کرنا۔

Marfat.com

- مقامی تہذیب وتمدن کو مسترد کیے بغیر اصلاحی کوشش۔
- وفاقیت کے تصوّر میں ترقی وارتقاء۔
- انسانیت کے تصور میں ترقی وارتقاء۔
- خواتین زندگی کی دوڑ میں سماج کے شانہ بشانہ۔
- ایک خدا کا تصور انسانی نصب العین میں شامل۔

نبوت محمد ﷺ نے ایک منظّم فکر بصورت قرآن اور اسوہ حسنہ دی اور پھر اُس پر عمل کرنے کے عملی اقدامات کیے حتی الامکان فکر محمد ﷺ عمل کے میدان سے اُن کی زندگی میں گزری۔ کہہ سکتے ہیں فکر و عمل کا ایک نمونہ لوگوں کے سامنے رکھا جو اس بات کی نشاندہی تھی کہ عمل ممکن ہے۔ ظاہر ہے نبوی تعلیمات محض ایک زمانے سے متعلق نہیں ہوتیں اور پھر آپ ﷺ کی آخری و تکمیلی نبوت تھی جسے قیامت تک زندہ رہنا تھا۔ اس لئے عملی بنیادیں رکھ دیں۔ اوپر چند نکات کی نشاندہی کی ہے جو زمانی ارتقاء کے مراحل طے کرتے آگے آئے ہیں۔ یہ کئی دوسری وہ بنیادیں تھیں جن پر گزشتہ چودہ صدیوں سے کام ہو رہا ہے۔ کچھ صدیوں سے اُمت کا کردار نمایاں نہیں ہے۔ مگر انسان رُکا نہیں انسانیت آگے بڑھی ہے۔ اُمت کے افراد نمایاں نہ رہے۔ والی اُمت کا کام تو بہت آگے بڑھا۔ ہم جو مسلمان کہلائے یا اُمتی کہلائے، جمود کا شکار ہوئے۔ جمود قوموں کی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ خدا نے کام لینے کے لئے اقوام بدلنے کی بات بھی کہہ رکھی ہے۔ کار نبوت خدا کے حکم سے آگے بڑھتا ہے۔ خدا کس گروہ سے دنیا کے کس خطے سے کب اور کون سا کام لیتا ہے۔ یہ اُسی کا منشاء ہے البتہ یہ بات ہمیں بھی مدِ نظر رکھنی ہوگی کہ خدا کی منشاء کے بغیر کائنات، دنیا اور انسان کے داخل خارج میں کچھ ممکن نہیں ہے۔ اس زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو خدا نے اُمت محمد ﷺ سے بڑا کام لیا ہے اور اب دوبارہ اُمت نے ہی انسانیت کو طمانیت کی راہ پر لے جانا ہے۔

دنیاوی سماج درج بالا میدانوں میں اور کئی دوسرے میدانوں میں آگے بڑھا ہے۔ ان کی بنیادیں ۱۴ صدیاں پیشتر رکھی گئیں۔ ہر ہر عشرے، ہر ہر صدی کا انسان اپنے وقت کی دوپہر میں بیٹھ کر ان میدانوں میں اپنا حصہ ڈالتا رہا۔ کچھ غلط ہوا تو آگے چل کر درست ہو گیا یہی فرمان خداوندی ہے کہ

Marfat.com

شیطانی اغلاط کو اللہ تعالیٰ خود درست کر دیتا ہے گویا انسانیت کو درست سمت رکھنے میں خدا ہر وقت نگہبان ہے۔ درج بالا موضوعات وعنوانات ہی اس تحریر کا حصہ ہیں۔ مزید تفصیل کسی دوسرے موقع کے لیے مؤخر رہے گی۔

۷۔ نبوت محمد ﷺ ____ آئیندہ زمانی ارتقاء کے تعینات:

ابھی یہاں سے آگے یعنی عصر حاضر سے مزید آگے باقی رہنے، جدو جہد کرنے اور آگے بڑھنے کے اہداف ومسائل ہی آج کی دنیا کے مسائل ہیں۔ مسائل ہی وہ اہداف ہیں جو اُبھر کر انسانی معاشروں کو کم وبیش گھیر چکے ہیں۔ چند صدیوں یا ایک صدی پیشتر انسانی معاشروں کے مسائل اور تھے اور بالکل مختلف تھے مگر زندگی کا سفر تو رُکتا نہیں، معاشرت گوناگوں تبدیلیوں سے دوچار ہو کر ہر حال میں آگے بڑھتی ہے۔ ہر اگلی منزل پر نئے انسانی مسائل اُبھرتے ہیں۔ یہ پیغمبرانہ شان اور نبوی فریضہ کا تقاضا ہے ہر نئی منزل پر انسان کی نبوی راہنمائی کے اصول وضابطے اور حکمت عملی کا خاکہ موجود ہو۔ جب سے نبوت کا سلسلہ ختم ہوا اور محمد مصطفےٰ ﷺ بطور آخری نبی تشریف لائے تو ساتھ یہ ضابطہ الٰہی بھی نافذ ہو گیا کہ نبوت محمد ﷺ کے اصول وضابطے ہی قیامت تک کے لئے انسانی راہنمائی کے اصول وضابطے رہیں گے۔ ضابطہ اول خود آپ ﷺ کی پیغمبرانہ شان ہے، نور کی چمک اور ضیا پاشیاں ہیں۔ جو ضابطوں کے پابند ہیں یقیناً نور کی یہ چمک اور اُس کی جھلک سے آشنا ہیں اور فیض پاتے ہیں۔ ضابطہ دوم قرآن حکیم ہے جس کا وسیلہ ضابطہ اول کو بنایا گیا۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری راہنمائی ہے جو انسان مقصد کو پانے کے لیے اختیار کر سکتا ہے۔ راہنمائی کی آرزو علم ہے۔ انسانی ذہن اپنی بصیرت کی سطح و درجوں کے تحت فیض پاتے ہیں۔ آپ ﷺ سے نور کی جھلک کے لئے تو محبت کافی ہے البتہ قرآن سے اخذ واستنباط کے لئے محبت اور علم کی بھی ضرورت ہے۔ موجودہ مسلم دنیا میں بغیر علم کے قرآن کی تفسیر، محض صرف ونحو کی تحصیل کے بل بوتے پر استخراج، وقت کے تقاضوں سے قطعی مناسبت نہیں رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ زندگی الگ راہوں پر ہے اور معاشرت بے ہنگم راہوں پر ہے اور قرآن کی موجودہ تعبیر وتشریح کا نہ زندگی کی راہوں سے واسطہ نظر آتا ہے اور نہ معاشرت کے اضمحلال کو دور کرنے کی آرزو نظر آتی ہے۔ یہ تعبیر وتشریح آج کے متکلم قرآن کو کرنی ہے جس کے لئے ضابطے مقرر کیے جانے ابھی باقی

Marfat.com

ہیں۔(۲۲)

زمانی ارتقاء کے تعینات میں کہیں فوری حکمت عملی اور طاقت درکار ہوتی ہے اور بعض معاملات میں قدرے طویل بصیرت دکھانی ہوتی ہے۔عصر جدید کے مسائل کی ایک مختصر سی جھلک ''فکریت کے تعینات'' بیان کی گئی ہے یہاں ایک اور جہت سے نمایاں کرنے کی کوشش ہے۔

گلوبل ازم یا وفاقیت کا ظہور اس دنیا کا یعنی جدید دنیا کے طاقت وروں کی نئی سوچ ہے۔ آرزو تو پرانی ہے۔ پرانی آرزو میں ایک بنیاد کے طور پر بیت المقدس اور پھر مکہ اور بعد از اسلام ان دونوں مقامات کو پوری طرح تسلیم کرتے ہوئے ریاست مدینہ کو وفاقیت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ گویا یہ نئی سوچ ماضی کے ارتقاء کا نتیجہ ہے۔اس کے بعد بھی کئی طاقت ور افواج کے جرنیلوں نے دنیا فتح کرنے کی آرزو کی اور انسان کو ذبح کرنے کا بہانہ جاری رکھا۔موجودہ سوچ میں سابقہ روایت کے عین مطابق طاقت وروں کا منصوبہ اور آرزو ہے لیکن یہ مدِ نظر رکھنا ہوگا کہ یہ اکیسویں صدی ہے اور انسان استحصالی ذہن کی معلومات پہلے سے زیادہ رکھتا ہے خصوصاً اس نئی سوچ میں تین عناصر کا اضافہ اہمیت کا حامل ہے:

۱۔ دانشوروں کی شمولیت

۲۔ جدید ترین مواصلاتی نظام کا قیام

۳۔ بین الاقوامی سطح کی تجارتی کمپنیوں کا قیام

اس کی مخالفت و مزاحمت یا کنارہ کشی کسی بھی ملک وقوم کے لئے مناسب نہ ہوگی خصوصاً مسلم دنیا۔آپ کو الگ وفاقیت پیدا کرنی ہے یا موجودہ سماجی ارتقاء کے ساتھ اپنے کردار و مقاصد کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔آپ ﷺ کی نبوت عصری تقاضوں کے ساتھ قیامت تک کے لیے انسان کی راہنمائی اور انسانیت کے سبق کی مناسبت سے وفاقی اور عالمی ہے۔قرآن دستاویز انسانیت ہے۔اسلام کم از کم اس سوچ کا مخالف نہیں ہے۔مگر آگے بڑھنے سے قاصر نظر آتے ہیں یہ قابل غور نکتہ ہے۔ یہاں یہ نشاندہی مقصود ہے کہ نئی دنیا کا نیا نقشہ بننے جا رہا ہے۔مسلم دنیا کہاں کھڑی ہوگی اور موجودہ آفاقی مسائل کے حل میں نبوی کردار اور قرآنی افکار سے انسانیت کی راہنمائی کیسے ممکن ہوگی۔یہ اُمت کے حکماء وعلماء کا

Marfat.com

فریضہ ہے کہ وہ نبوی کردار اور قرآنی افکار کو تلاش کریں متعین کریں، حکمت عملی تشکیل دیں اور درج ذیل مسائل کو دیکھیں:۔

(۱)۔ جہالت کی تازہ تعریف اور اس کو دور کرنے کا ہمارا لائحہ عمل کیا ہے؟

(۲)۔ غربت کی تازہ حالت و کیفیت کی تعریف اور ہمارا لائحہ عمل و کردار کیا ممکن ہوگا؟

(۳)۔آبادی کی رفتار میں اضافہ اور وسائل میں کمی اس گھمبیر مسئلے سے نبٹنے کے لیے ہماری حکمت عملی کیا ہوگی؟

(۴)۔زمین کے اندر پانی کی کمی کا مسئلہ تیزی سے اُبھر رہا ہے۔ ہمارا منصوبہ کیا ہے؟

(۵)۔آبادی کی نقل و حمل وسائل پر بوجھ اور مسائل کی بنیاد ایک حقیقت ہے۔اس سے ہمارے نبٹنے کا طریقہ کیا ہے؟

(۶)۔ جدید معاہدہ عمرانی میں معیاری نظام صحت ایک ضروری ستون ہے۔ہم کیا معاونت کر سکتے ہیں؟

(۷)۔قدرتی ماحول کو خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ہم کیا کر سکتے ہیں؟

(۸)۔خواتین کے مسائل دنیا کے مسائل بھی ہیں مگر تیسری دنیا اور مسلم دنیا زیادہ شکار ہیں۔حل کی تدبیر کیا ہے؟

(۹)۔ انصاف کا حصول بھی جدید معاہدہ عمرانی کا لازمی جزو ہے۔حصول کیسے ممکن ہے؟

(۱۰)۔ نظام حاکمیت اور عوامی شرکت۔ہم کہاں کھڑے ہیں اور آگے کیسے بڑھ سکتے ہیں؟

(۱۱)۔ جہاد، فساد کیسے ہوا اور دنیا نے اسے دہشت گردی کی اصطلاح دے دی۔مسئلہ کا حل کیا اور کہاں ہے؟

(۱۲)۔فلسطین اور جموں و کشمیر کے عوام کا حق آزادی جہاں ماضی کا حصہ ہے اُسی طرح مستقبل کا بھی مسئلہ ہے۔تازہ لائحہ عمل ہمارا اور دنیا کا کیا ممکن ہے؟

(۱۳)۔عالمی زراعت اور بائیوٹیکنالوجی۔ہم کہاں کھڑے ہیں؟

(۱۴)۔ذرائع مواصلات، مالیاتی پیچیدگیاں، ملٹی نیشنل کمپنیاں۔ہمارے کردار کی نوعیت کیا بنتی ہے؟

(۱۵)۔ روبوٹ، خودکاری، نیا صنعتی ڈھانچہ۔ہماری مہارت کیا ہے؟

Marfat.com

(۱۶)۔گلوبل ازم نے قومی ریاستوں کے لئے نئے کردار کا تقاضا کیا ہے وہ کیا ہے اور ہم کیسے پورا کر سکتے ہیں؟
(۱۷)۔گلوبل ازم کا معاشی ایجنڈا کیا ہے؟ بینکوں کا پیچیدہ نظام کیا ہے؟ ہماری معاشی حکمت عملی کیا ہونی چاہیے؟

حاصل بحث:

یہ اور اس طرح کے مسائل کا ہمیں سامنا ہے۔ مسائل کو حل کرنے کی کوئی حکمت عملی بنانے سے قاصر ہیں۔ تین عناصر جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا ہے جو وفاقی دنیا کی تشکیل میں نمایاں ہیں، بدقسمتی سے ہم میں کہیں نظر نہیں آتے۔ دانشوری کا فقدان ہے۔ مواصلاتی نظام اُدھار لیا ہوا ہے اور کمپنیوں میں حصہ داری تو دور کی بات ہے نوکری بھی نہیں ملتی۔ اس سب کے باوجود کیا اُمت کا کردار ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ کی کارِ نبوت کے مقاصد مکمل ہو گئے؟ کیا قرآن مجید کی علمی راہنمائی کی عمر مکمل ہو گئی ہے؟ کیا مادی دنیا پر انسان نے مکمل قابو پا لیا ہے؟ مادی دنیا کی تسخیر کا مطلب اگر یہ تھا کہ انسان رازِ ہستی کو جان لے تو کیا ایسا ہو گیا ہے؟

ایسا ابھی نہیں ہوا، کارِ نبوت جاری ہے۔ انسان مادی دنیا کا مادی غلام ہو گیا ہے۔ یہ یکطرفہ سفر انسانیت کے ناطے خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا نے مادیت پر ایمان لایا مگر مادیت کو پیدا کرنے والے کی اہمیت نظر انداز کر گئی یہی وجہ ہے کہ انسان مادی آسانیوں کے باوجود روحانی پہلو کی تشنگی محسوس کرتا ہے۔ مذہب وہ واحد عنصر ہے جو انسان کو مادی سرگرمیوں کے ساتھ روحانی تشنگی کا راستہ بھی دیتا ہے۔ مذاہب کے اندر انسان کو نام نہاد مذہبی خداؤں اور ظلِ الٰہی کی صورتوں کو نمایاں مقام دینے پر پہلے جمود اور پھر نفرت نے جگہ لے لی۔ مذہب کے خلاف نفرت کی اس رو میں روحانیت کی ضرورت بھی نہ رہی۔ مذہب کا بنیادی مطلوب اور مطالبہ تو انسان کے داخل کو اس قدر توانا کرنا ہے کہ وہ نفس کی روحانی ضرورتوں کو کما حقہ پورا کرتے ہوئے اور پورے روحانی اطمینان اور پوری شعوری استعداد کے ساتھ مادی دنیا کے جنگل میں داخل ہو اور اطمینان بخش راہنمائی دے۔ مذہبی خدائی اور ظلِ الٰہی کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ انسان مذہب و علم کا نہ پہلے باغی تھا اور نہ اب ہے۔ البتہ مذہبی خدائی اور ظلِ الٰہی کی فریب کارانہ تعبیر و تشریح سے باغی ہو چکا ہے۔ وہ انسان کے اوپر کسی جبر و تسلط کے حق میں نہیں ہے۔ مذہب و نبوت

Marfat.com

انسان کے لیے خدا کا حسین تحفہ ہے جس سے وہ ہر دم فیض لیتا رہتا ہے اور لے رہا ہے اور آئندہ بھی لے گا لیکن وہ مذہب کے نام پر تیار کسی پنجرہ نما شئے میں بند ہوگا اور نہ طلِ الٰہی کی چھتری کا محتاج ہوگا۔ مسلم دنیا کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ انسان کا شعور جس قدر خود آگاہ ہو چکا ہے وہ اور آگے جائے گا۔ شعور کی اس روانی میں مذہبی و نبوی فکر کی ہی یہ یقینی سمت تھی کہ انسان مادی دنیا کی تسخیر میں سراپا جدوجہد رہے۔ مذہبی و نبوی فکر میں سب سے طاقت ور فکر قرآن اور خاتم النبین ﷺ کی ہے کہیں مذکور ہے اور کہیں غیر محسوس ہے مگر اس کی تعمیر و تکمیل کی راہ اوّل و آخر حضرت انسان ہے۔ خدا کا کمال یہ ہے کہ اُس نے انسان کو کمال صلاحیت، بصیرت اور طاقت دی ہے اور تائیدیوں کی کہ میں نے اسے اپنی طرز پر بنایا اور اپنی روح پھونکی۔ دراصل انسان کا یہی کمال ہے کہ وہ رازِ ہستی کی جستجو پر صدیوں سے کاربند ہے۔ رُکا نہیں ہے کیوں کہ رُکنا اس کی فطرت میں رکھا ہی نہیں گیا۔ شیطان کا ورغلانا یا ہر نبی کے دشمن کا ظہور حکمت الٰہی ہے تا کہ انسان کی کمال صلاحیتوں کو آزمایا جائے۔ انہیں طاقت ور بنایا جائے۔ وہ دشمن قوتوں کو جانے، لڑے، اُن پر قابو پائے اور خدا کی طرف سے لگائی گئی ذمہ داری کو پورا کرتا رہے۔ یاد رہے یہ مذہبی تعلیمات، نبوی کردار اور آخری نبی ﷺ کا غیر معمولی معیار شیطانی مزاحمتوں ہی کے لیے اکسیر ہے۔

ہمارا بین الاسلامی و بین الاقوامی سطح پر جو کردار موجودہ تناظر میں بنتا ہے وہ انسان کو روحانی راہنمائی ہے اور اسے مادی دنیا کی ضد کے طور پر پیش کرنا درست نہیں ہے۔ جب سے دنیا کے انسانوں نے ترقی کی اور علم کی انسانی سہولت کے لئے تقسیم کی ہے، اُسے بعض اوقات بلکہ اکثر متوازی رکھ لیا گیا ہے حالانکہ مادیت اور روحانیت الگ شئے نہیں ہیں اور تازہ سائنسی ترقی نے بھی اس متوازیت کے تصور کو رد کر دیا اس کے باوجود آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ اور قرآن مجید میں اتنی جان ہے کہ مادیت کے شور و غل میں روحانیت کی انسانی ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔ انشاء اللہ!

حواشی

۱۔ ترجمہ عبدالماجد دریابادی کی تفسیر سے لیا گیا ہے۔

۲۔ ایضاً

Marfat.com

۳۔ سیرت ﷺ کی تمام کتب میں یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔ یہاں ''سیرت النبی''، شبلی نعمانی سے لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ''نقوش'' رسول نمبر جلد ۸، ص ۳۲۱ ملاحظہ ہو۔

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

۶۔ قریش مکہ کے ایک سردار عقبہ نے آپ ﷺ کو نبوت سے دست بردار ہونے کے بدلے ترغیبات پیش کیں تو آپ ﷺ نے سورۃ حم السجدہ کی آیات تلاوت کیں: ترجمہ: ''کہہ (اے محمد) میں تمہیں جیسا آدمی ہوں، مجھ پر وحی آتی ہے۔ کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ بس سیدھے اُس کی طرف جاؤ اور اُسی سے معافی مانگو ۔''بحوالہ سیرت النبی''، شبلی نعمانی، جلد ۱، ص ۲۲۵، ناشران قرآن، لاہور۔

۷۔ نبوت کا بنیادی مطلوب انسان کو اُس کے نصب العین کی طرف رہبری کا فریضہ تھا۔ ترجمہ:

''تم وہ بہترین اُمت ہو جو لوگوں پر مامور کی گئی ہو، جو لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتی ہے اور برائیوں سے منع کرتی ہے۔'' (آل عمران ۳:۱۱۰)

۸۔ حاصل مطلوب تب اور اب تک کیا حاصل ہو چکا ہے۔ قدماء میں محمد بن اسحاق (م ۱۰۱ھ) محمد بن عمر واقدی (م ۱۰۷ھ)، محمد بن سعد (م ۱۳۰ھ)، عبدالمالک بن ہشام (م ۲۱۸ھ) جبکہ اگلے مرحلے میں ابن قیم، قاضی عیاض، برہان الدین حلبی کی کتب سیرت نمایاں ہوئیں۔ ہندوستان میں سرسید احمد خان، امیر علی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (مدارج النبوت) شبلی نعمانی اور پیر کرم شاہ کی کتب سیرت نمایاں ہیں۔

۹۔ باقی مطلوب پر مذکورہ کتب سیرت کے علاوہ مفسرین، حکماء اور صوفیاء کا وسیع کام ہے۔ علامہ اقبال کے خطبات اس ضمن میں قابل مطالعہ ہیں۔

۱۰۔ ایمانیات کے تحت ''حدیث جبرائیل'' بنیاد بنائی گئی ہے۔ البتہ امام غزالی کی ''کیمیائے سعادت'' اور شاہ ولی اللہ کی ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا مزید مطالعہ مفید رہے گا۔

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ امام غزالی ''کیمیائے سعادت'' مختلف تراجم موجود ہیں۔ معاملات پر حکیمانہ بحث ہے۔

۱۳۔ ارشاد باری تعالیٰ:

''اب کیا یہ اللہ کے دین کے سواء کچھ اور دین ڈھونڈتے ہیں؟ حالانکہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے۔ اسی کے حکم میں ہے خواستہ یا ناخواستہ، اور اُسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔'' (آل عمران: ۳،۸۳)

Marfat.com

۱۴ سورۃ النساء۴- ۱۳- مزید خطبہ حجۃ الوداع دیکھیں۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ ''سیاسی وثیقہ جات، مجلس ترقی ادب ۱۹۴۰ء ،ص ۲۲۳، لاہور۔

۱۵ اقتصادیات سے متعلق راہنمائی اور ضابطے سے متعلق طویل مضمون سورۃ البقرہ آیت ۲۶۱ تا ۲۸۳ ہے۔عصری توضیح راقم کی کتاب ''مغرب اور اسلام'' ص ۲۴۴ پر دیکھی جاسکتی ہے۔مزید خطبہ حجۃ الوداع دیکھیں۔

۱۶۔ سورۃ العلق آیت ۱ تا ۵- کا مقالہ، سیرت ۲ ''اوّلیں اعلان نبوت اور عصری مطالبہ'' ملاحظہ فرمائیں۔

۱۷۔ امام غزالی، ''کیمیائے سعادت'' غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۴ء، ص ۲۶۰۔

۱۸۔ اخلاقیات کے موضوع پر حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۶۰ ترجمہ محمد عبدالحق جبکہ تفصیلی طور پر شبلی نعمانی کی سیرت النبی ﷺ جلد ۶ مکمل طور پر اخلاقی تعلیمات نبوی ﷺ پر مشتمل ہے۔جبکہ مقالہ نمبر ۱۰ خالصتاً اسی موضوع پر ہے مزید مقالہ نمبر ۶ ملاحظہ کریں۔

۱۹۔ شاہ ولی اللہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' ارتفاقات کے عنوان ص ۶۷

۲۰۔ خطبہ حجۃ الوداع، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، ص ۲۲۳

۲۱۔ اسباق سیرت ﷺ کا اکیسویں صدی و مابعد انطباق کیسے ممکن ہے؟ یہ سوال حکماء اُمت کی بصیرت سے جواب پائے گا۔علامہ اقبال کی فکر خصوصاً خطبات آج بھی لائق توجہ ہیں۔اُن کا مطالعہ مفید رہے گا۔

۲۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان ''علوم القرآن.... مطالعہ قرآن کا ضابطہ'' میں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔

Marfat.com

4

یثرب کی بستی، میثاق نبوی ﷺ اور دورِ حاضر کا معاہدہ عمرانی

یثرب کی بستی:

تنظیمِ معاشرت ایک مسلسل عمل ہے۔ تنظیمِ معاشرت کا عصری نام ''معاہدہ عمرانی'' ہے۔ ''معاہدہ عمرانی'' خیالوں سے، اعلانوں سے، زبانی وعدوں سے تحریری صورت اختیار کر چکا ہے اور دورِ جدید میں کوئی مملکت ایسی نہیں کہ انہوں نے تنظیمِ معاشرت کو ممکن و جاری رکھنے کے لیے عوامی معاہدہ نہ کر رکھا ہو جسے ''آئین و دستور'' بھی کہتے ہیں۔ وہ قوم معزز اور ترقی یافتہ شمار ہوتی ہے جس نے معاہدہ عمرانی کی روح کے عین مطابق ''آئین و دستور'' پر عمل کیا ہو۔ اس عوامی معاہدے کی روح یہ ہے کہ عوام اور انہی عوام سے طے شدہ طریق کار کے مطابق منتخب ہونے والا حکمران و نمائندگان کا گروہ اس معاہدے کی اس طرح پاسداری کریں جیسے وہ کسی بھی دوسری پاکیزہ و مقدس شئے کی کر سکتا ہے۔ عنوان بالا کے تناظر میں ہم اس کا جائزہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت و کردار کی نسبت سے خصوصاً ''میثاق مدینہ'' کے تحت لیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ ''میثاق مدینہ'' نے ''جدید معاہدہ عمرانی'' کے تصورات میں کتنا اثر کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بحث انہی دو نکات کے تحت رہے گی۔

تنظیمِ معاشرت کا سوال صدیوں پرانا سوال ہے۔ اس کا جواب کئی موقعوں پر دیا گیا

Marfat.com

آپ ﷺ اعلانِ نبوت اور مکی ردِعمل کے سبب یثرب کی بستی میں ہجرت کی تو اس بابت ایک تاریخی قدم اُٹھایا۔ اور نئی تاریخ کی بنیاد رکھی۔ یثرب کی بستی میں یہود قبائل کے علاوہ قبیلہ اوس وخزرج اور دوسرے قبائل بستے تھے۔ ایک تنظیمِ معاشرت وقت کے ساتھ مستحکم ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ کی آمد کے بعد جاری تنظیمِ معاشرت میں دو وجوہات کی بناء پر تجدیدی معاہدے کی ضرورت پیش آئی:۔

ا۔ مکہ سے یثرب میں جا کر بسنے والوں نے تنظیمِ معاشرت کو متاثر کیا کیوں کہ وہ ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنے پر نکالے گے گویا یہ مشنری لوگ تھے۔

ب۔ یثرب کی بستی سے خصوصاً اوس وخزرج کے کافی لوگ نیا مذہب قبول کر چکے تھے گو کہ ''مواخاۃ'' کا ایک طریقہ اپنایا گیا مگر پوری معاشرت میں نئے عوامل کا ظہور اہمیت کا حامل تھا۔

یثرب کی بستی ''مدینۃ الرسول ﷺ'' میں منتقل ہوتی ہے۔ یہ تاریخی واقعہ تھا اور اس کے اثرات آج بھی دنیا محسوس کر رہی ہے۔ تنظیمِ معاشرت ایک عمل ہے اُس کا ایک ردِعمل ہے۔ ردِعمل کی طاقت اگر عمل کی قوت سے کم رہے تو عمل کی فتح ہوتی ہے اور ردِعمل کی شکست ہوتی ہے۔ ہوتا وہی ہے جو منشا خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ ہمارا ایمان بھی ہے اور یقین بھی۔ اس سب کے باوجود یہ عمل وردِعمل، جنگ و امن اور جمال وجلال کی کہانی بھی ہے۔ ایک تنظیمِ معاشرت قائم ہوتی ہے۔ ''معاہدہ عمرانی'' پر عوام اور اُن کے حاکم عہد کرتے ہیں۔ یہ وہ بندوبست ہے جو عملی طور پر انسان باقی رہنے اور آگے بڑھنے کے لئے کرتا ہے۔ یہی دراصل عمل وردِعمل، جنگ وامن، یقین و بے یقینی اور جمال وجلال کی کہانی کا میدان ہے۔ یہ تصوری وخیالی، ایمان ویقین کی کہانی نہیں ہے۔ یہ عملی کہانی ہے اور انسان ہی اس کا ایندھن ہے۔ تنظیمِ معاشرت کی ایک ایک اینٹ کے لئے انسانوں کی کئی کئی نسلیں ایندھن بنی ہیں۔

یثرب کی بستی نے بستے بستے کئی سال لیے۔(۱) تنظیمِ معاشرت کا عمل جاری رہا یہاں تک کہ نبی آخرالزماں مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر اس بستی میں داخل ہوئے اور اُس وقت کی موجود معلومات کو مؤرخوں نے ترتیب دیا اُس کے مطابق یہود کے تین قبائل بنونضیر، بنوقریضہ اور بنوقینقاع جب کہ دو غیر یہود قبائل اوس اور خزرج آباد تھے جبکہ اس کے علاوہ بھی کچھ لوگ آباد تھے۔ یہود قبائل دوسرے قبائل کی نسبت ہر میدان میں آگے اور نمایاں تھے۔ یہود اپنی مذہبی فکر پر کاربند ہونے کی بنا پر باقی قبائل پر علمی

Marfat.com

نقطہ نظر سے بھی حاوی تھے۔ اس کے باوجود روایتی جنگ و جدل قبائل کا خاصہ تھا اور اوس و خزرج کے درمیان جنگ کا نتیجہ ہی تھا کہ اوس کے لوگ مکہ میں قریش سے مدد لینے کے لیے آئے اور آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ قبل ازیں حج کے موقعہ پر خزرج کے لوگوں سے آپ ﷺ کی ملاقات ہو چکی تھی کیونکہ حج کے موقعہ پر تبلیغ آپ ﷺ ہر سال کرتے تھے۔ تبلیغ کا یہی عمل بالآخر بیعت عقبہ اولی (۱۰ نبوی) اور بیعت عبقہ ثانی (۱۱ نبوی) کا باعث بنا تھا۔ یثرب کی بستی اور اُس کی تنظیمِ معاشرت میں تمام روایتی عناصر شامل تھے جو عمومی طور پر تب بھی تھے اور اب قدرے ترقی یافتہ شکل میں موجود ہیں۔ مذہبی عقیدہ و ایمان (۲) قبائلی تنظیم اور آپس میں جنگ و جدل کے ساتھ بستیاں کبھی بکھر جاتیں۔ کبھی شہر بن جاتیں، زراعت یا کھیتی باڑی، کیونکہ یہ علاقہ سرسبز تھا، تجارت کی بنیادیں پڑیں، مرکزی طور پر اجتماعی نظم یا کسی تنظیم کا وجود نہ تھا البتہ ہر قبیلے کا روایتی نظام تھا۔

یہ وہ منظر تھا جب پیغمبرِ خدا ﷺ یثرب میں تاریخی و کائناتی ہجرت کر کے تشریف لائے۔ یثرب کی بستی کا نام تبدیل ہو کر ''مدینہ'' پڑ گیا۔ (۳) ''جوف مدینہ'' میں پانچ زرخیز وادیاں مذنیب، مہزور، زانونا، بُطحان اور قناۃ اور ان کے ساتھ ساتھ بستیاں تھیں یہ مدینۃ الرسول کہلائے اور یہی سرزمین عقیدتوں کا مرکز قرار پا گئی۔ مکہ کی طرح مدینہ بھی حرم یعنی جائے امن قرار پایا۔

تنظیمِ معاشرت یا معاہدہ عمرانی کی صورت حال جو مدینہ کی تھی، یثرب کے تحت (۴) منظر کشی کی ہے۔ سماجی عناصر کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ''حرم'' یعنی پیغام امن ابتدائی تنظیمِ معاشرت کا سب سے اہم عُنصر اور پیغام تھا۔ حرم مکہ کی طرز پر مدینہ میں مخصوص علاقے کو حرم قرار دینے کا مطلب تحفظ جان، تحفظ مال اور تحفظ عزت کی ضمانت تھا۔ ''جوف'' (۵) کا علاقہ حرم قرار دیا گیا اور اس حدود میں آنے والی تمام بستیوں کو امن حاصل ہو گیا اور آپس میں کشت و خون کا خاتمہ ہو گیا۔ تنظیمِ معاشرت کی حدود کا تعین بھی ہو گیا، امن و آشتی کا پیغام بھی دے دیا گیا، نئی ریاست کی علاقائی حدود کی نشاندہی بھی کر دی گئی۔ ''میثاق نبوی'' سے قبل یہ ایک زبردست پیش رفت تھی۔ فوری اثرات کا موجب اسی اعلان ''حرم'' اور حدود ''جوف حرم'' کو قرار دیا جا سکتا ہے جس نے زبردست توجہ حاصل کی اور مدینہ میں آپ ﷺ کی آمد اور پیغام کے اثرات تمام لوگوں تک پہنچ گئے۔

Marfat.com

میثاقِ نبوی ﷺ یا معاہدہ عمرانی۔ضرورت واہمیت:

''میثاق'' عربی میں ''معاہدہ'' کو کہتے ہیں۔اُردو میں اسے ''معاہدہ عمرانی'' کا نام دیا گیا اور انگریزی میں ''Social Contract'' کا نام دیا گیا۔اسے سماجی معاہدہ بھی کہا جاسکتا ہے۔یہ عمومی طور پر عوام کی رضامندی سے حکمران کے ساتھ ایک معاہدہ ہوتا ہے۔ابتداء میں خاندان اور قبائل کا یہی طریقہ تھا البتہ تحریری سہولت سے قبل یہ زبانی معاہدہ ہوتا تھا۔ بلکہ اس کی ابتداء کو تصوری و قیاسی نظم میں بیان کیا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ انسان بہت ابتدائی حالت سے سفر کر کے پہلے زبانی اور پھر تحریری معاہدوں تک پہنچا ہے۔

تحریری سہولت کسی حد تک خاتم النبین ﷺ سے قبل انسان کو حاصل ہو چکی تھی۔شاید یہی وہ انسانی صلاحیت تھی جس کا مدت مدید سے انسان کو انتظار تھا۔انسان نے پہلے بھی انسانیت کے تجربات کو ضائع نہیں کیا تھا مگر تحریری استعداد انسانیت کے تجربات کو محفوظ طریقے سے آگے بڑھانے کا بہتر اہتمام تھا۔عمرانی، سماجی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی تنظیم ایک ریاستی روپ میں تحریری طور پر پہلی دفعہ ظہور پذیر ہوئی تو وہ مدینہ کے بسنے والے تمام لوگوں کو ایک معاہدہ پر لانا ہے۔یہ عظیم الشان کارنامہ خاتم النبین ﷺ کا تھا۔

۔ اس معاہدے کا اولیں اور ابتدائی نمونہ ناقابلِ بیان حد تک عوامی ہے مگر اس کے نتائج و اثرات جس طرح آج نمایاں ہیں، ناقابل یقین حد تک ہیں۔ہر ملک کا ایک دستور ہے اور وہی اُس قوم کا قانون ہے۔یہی روح میثاق نبوی کی تھی، یہی جدید معاہدہ عمرانی کا لُب لباب ہے۔میثاق نبوی ﷺ کی روح کے مطابق یہ جدوجہد جاری ہے یہ انسانیت کا نصب العین بن چُکا ہے کہ حکمرانی اب معاہدہ عمرانی کے مطابق ہوگی۔قانون اور ضابطے جو طے کیے گئے ہیں۔اُن کے مطابق ہوگی۔خلاف ورزی پر قومیں سراپا احتجاج بن جاتی ہیں۔طاقت کی حکمرانی کے خلاف نفرت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔یہی خاتم النبین ﷺ کا نصب العین تھا کہ انسان جبر کے تحت نہیں بلکہ آزادانہ طور پر زندگی میں اپنا حصہ ادا کر سکے۔اس معاہدہ کو ''میثاق مدینہ'' کے نام سے مسلم ادب میں شہرت حاصل ہے۔یہ اور بات ہے کہ اب مسلمان ہی اس پر عمل پیرا ہونے سے قاصر ہیں۔المیہ یہ ہے کہ جبریہ انداز مذہب اسلام کے نام پر ہی ہے جو اس جبر کو

Marfat.com

توڑنے کا داعی تھا۔

دوسری وجہ فریضہ نبوت، تکمیل نبوت اور کارِ نبوت تھا۔ انبیاء کا نظام محض انسانوں کی راہنمائی اور تنظیم معاشرت و رہن سہن کو سنوارنا ہے۔ محمد مصطفےٰ ﷺ نظام نبوت کی آخری اور تکمیلی مگر مستند کڑی کے طور پر بھیجے گئے۔ یقیناً ہر نبیؑ نے فریضہ نبوت احسن طریقے سے بنھایا مگر خاتم النبین ﷺ سردار انبیاء کی حیثیت سے زیادہ ذمہ داریوں کے اہل ٹھہرے۔ انسان پہلے کی نسبت بہت سمجھدار ہو چکا تھا، وہ محض تصوری عقیدہ پر رُک جانے کے لیے تیار نہ تھا، اُس کا شعور بیدار ہو چکا تھا، وہ اب دلیل و وجوہات مانگتا تھا۔ چنانچہ فریضہ نبوت کی شرائط بھی زیادہ سخت تھیں۔ اب محض راہنمائی ناکافی تھی۔ انسان نمونہ اور دلیل مانگنے لگا تھا۔ فکری راہنمائی کو عملی راہنمائی کا فریضہ درپیش تھا۔ عملی سانچے میں ڈھالنے کا میدان تنظیم معاشرت ہوتی ہے۔ انسان مل جُل کر رہتا آیا تھا اور صدیوں کے تجربات سے بہت کچھ حاصل کر چکا تھا۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ اُن تجربات کو حکمت کا روپ دیا جائے۔ لائحہ عمل کا رنگ دیا جائے۔ نظم کو دستاویزی شکل دی جائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن حکیم اور حدیث پاک کے ساتھ یہ دستاویز یعنی میثاقِ مدینہ بھی محفوظ ہو کر ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

تیسری وجہ تکمیل نبوت تھی۔ گو قرآن مجید تمام انبیاء کی تکمیلی دستاویز کی حیثیت سے مقام رکھتا ہے جبکہ محمد مصطفےٰ ﷺ کو تکمیلی فریضہ نبوت کی ذمہ داری دی گئی جو آئندہ کے تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لیے کفایت کرتی ہے مگر عملی طور پر اس کی بنیادیں اور عملی نمونہ جات خاتم النبین ﷺ نے فراہم کرنے تھے۔ اُن میں سے ایک اہم بنیاد اور نمونہ "میثاق مدینہ" تھا جو انسانیت کا دستور تھا اور جدید انسان نے اُسے اقوام متحدہ کے چارٹر میں سمونے کی کوشش کی ہے۔

چوتھی وجہ کارِ نبوت کا وہ شعور تھا جو قبل ازیں ایسے نہ تھا۔ پہلے آئندہ آنے والی نئی نبوت کی اُمید باقی ہوتی تھی۔ تمام انبیاء نے یا اُن پر نازل ہونے والے صحیفہ جات سے اگلے نبی کی بشارت دی ہوتی تھی۔ یہاں دو باتیں نمایاں ہوئیں:۔

ا۔ قرآن مجید یعنی آخری صحیفہ الٰہی کے طور پر اعلان اور آپ ﷺ کا آخری نبی ہونے کا اعلان ہے۔

Marfat.com

ب۔ فریضہ نبوت اب انسان کو حاصل ہو گیا۔ انسان نبی کا جانشین ہو گیا۔ وہ فرائض جن کی ادائیگی نبی کے ذریعے ہوتی تھی وہ فرائض اب خلیفہِ خدا یعنی انسان بلا روک ٹوک اپنی عقل و بصیرت سے ادا کرے گا۔

زندگی کے ہجری موڑ پر یہ بڑے اور فیصلہ کن اعلانات ہیں جنہوں نے زندگی اور کائنات میں گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ''میثاق مدینہ'' یا تحریری معاہدہ عمرانی فریضہ نبوت و کارِ نبوت کا اوّلیں قدم تھا جس کی بازگشت اور اثرات آج بھی زندہ و فعال ہیں۔ تحریری دستاویزات کے طور پر دنیا کے سارے حکماء نے اس کی اہمیت کا تذکرہ کیا ہے۔

پانچویں وجہ ضرورت وہ معاشرہ تھا جس میں آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی داخل ہوئے یہ بتانا ضروری تھا کہ دعویٰ نبوت انتشار کا موجب نہیں بلکہ مودت و اتحاد کا موجب ہوتا ہے۔ لوگوں کو ''جوف مدینہ'' کے پیغام کے ساتھ مدینہ کی پوری آبادی کو زندگی کا نیا پیغام دینا ضروری تھا اس نئے پیغام میں ''میثاق مدینہ'' دراصل تنظیمِ معاشرت اور پھر اُس سے آگے تنظیمِ ریاست کا پیغام تھا۔ جو ترقی کرتے کرتے آج اکیسویں صدی میں داخل ہو چکا ہے۔ آج کا انسان سماج کی ہر اُس حرکت میں شریک ہونا چاہتا ہے جو انسانیت کے نفع کے لیے ہو اور وہ اُسے آگے بڑھا سکے۔ آج کا انسان ریاستی امور میں بھرپور شرکت کو ممکن بنانا چاہتا ہے۔ وہ معاہدہ عمرانی یا میثاق عمرانی یا دستور و آئین پر حرف و معنی کے ساتھ عمل پر کمربستہ ہے۔ وہ ایک معین مدت تک ریاستی حکمران کو اختیار دیتا ہے اور ریاستی حکمران معاہدہ عمرانی کے مطابق عمل میں کوتاہی دکھائے تو انسان اُسے بدلنے پر قادر ہے۔ ''میثاقِ مدینہ'' کی یہی روح تھی کہ ریاستی سماج میں بغیر تفریق مذہب، رنگ، نسل اور زبان، کے ہر انسان کے تمام انسانی حقوق محفوظ رہیں اور اُسے آگے بڑھنے کے لیے آزادی میسر ہو۔

پہلا باضابطہ تحریری معاہدہ ''میثاق مدینہ'':

یہ معاہدہ ہجرت کے بعد اہل مدینہ سے ہوا جس میں مہاجرین اور انصار کے علاوہ شہر کے تمام یہود و نصاریٰ اور مشرکین بھی شامل تھے۔

Marfat.com

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾

یہ تحریری معاہدہ ہے مدینہ کے مندرجہ ذیل طبقوں کے درمیان:

الف: محمد نبی رسول اللہ ﷺ

ب: مسلمان قریش مکہ از ساکنین شہر مدینہ

ج: مدینہ کے مسلمان

د: مدینہ کے یہودی

ہ: مدینہ کے نصرانی

ر: مدینہ کے غیر مسلم

دفعہ اوّل:

متذکرۃ الصدر ہر شش گروہ سیاسی طور پر ایک جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دفعہ دوم:

ان میں سے ہر ایک گروہ فرداً فرداً مندرجہ ذیل امور کا ذمہ دار ہے قریش اپنے قبائل کی طرف سے قدیمی طے شدہ اور اسلام کی طرف سے مصدقہ دیت کی ادائیگی میں انصاف وعدل کے ساتھ ذمہ دار ہیں۔

۱۔ بنوعوف، ۲۔ بنوحارث از قبیلہ خزرج، ۳۔ بنوساعدہ، ۴۔ بنوجشم، ۵۔ بنونجار، ۶۔ بنوعمرو بن عوف، ۷۔ بنونبیت، ۸۔ بنواوس۔

دفعہ سوم:

۱۔ کوئی گروہ دیت کی مقررہ حدوں میں تخفیف کی راہ پیدا نہ کرے۔

۲۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کے مظلوم حلیف کے مقابلے میں اپنے حلیف کی ناحق حمایت نہ کرے۔

۳۔ جو شخص باہم ادائے دیت میں سفارش کی راہ پیدا کرنے کی سعی کرے اس شخص کے خلاف دوسرے مسلمانوں کو ورثائے قتیل کی مناسب طرف داری کرنا ہوگی۔

Marfat.com

۴۔ جومسلمان خودیا اُس کا بیٹا جماعت میں فساداور تفرقہ پیدا کرنے میں ساعی ہو، اُس کے خلاف تمام مسلمانوں کو یک جا ہوکر یہ فتنہ فرو کرنا ہوگا۔

۵۔ اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کافر مارا جائے تو دوسرے مسلمان کا کافر کی حمایت میں مسلمان پر جور وتعدی کرنا خلاف معاہدہ ہوگا۔

۶۔ اگر کافر مسلمان کے درپے ہو تو کسی مسلمان کو اپنے کافر کی حمایت نہ کرنا ہوگی ۔

۷۔ مسلمانوں کا ہر فرد یکساں طور پر خدا کی پناہ میں ہے اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے دوست دار ہیں۔

دفعہ چہارم:

۱۔ مسلمان کے لئے کسی یہودی کے ایسے معاملہ میں مدد کرنے پر کوئی حرج نہیں جس سے وہ یہودی مسلمان کے انصاف پر اطمینان حاصل کر سکے۔

۲۔ مسلمان کی لڑائی میں شہید ہونے کے بعد ایک دوسرے مسلمان پر اس کی ذمہ داری عائد نہ کی جائے۔

۳۔ تمام مومنین اسلام کے احسن اور اقوم طریق پر ثابت قدم رہیں گے۔

۴۔ کوئی مسلمان کسی مشرک کو مسلمان کے خلاف پناہ نہ دے گا نہ کسی ایسے مال کا ضامن ہوگا جو مشرک نے ناجائز طور پر مسلمان کے مال سے حاصل کیا ہو اور نہ کوئی مسلمان مشرک کی حمایت میں مسلمان کے درپے ہوگا۔

۵۔ مومن کے قتل ناحق پر اگر ورثائے قتیل رضامندی سے دیت لینے پر مائل نہ ہوں تو قاتل کو جلاد کے حوالے کیا جائے گا۔

۶۔ جومسلمان اس معاہدہ میں شامل ہے اگر وہ دل سے خداتعالیٰ اور روزِ محشر پر ایمان لا چکا ہے تو اسے کسی مفسد کی حمایت نہ کرنا ہوگا۔ مفسد کو پناہ دینا بھی اس کی حمایت میں شامل ہے۔ ایسے بے انصاف مسلمان پر دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کی لعنت اور عذاب ہے۔ جس عذاب کے بدلے میں اس سے کوئی معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا۔ ذیلی دفعہ (نمبر ۷) بلا استثنا تمام مسلمانوں پر لاگو ہے۔

Marfat.com

۷۔ مسلمان اپنے باہمی تنازعات میں خدا اور محمد ﷺ کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہوں گے۔

دفعہ ششم:

یہود شرکائے معاہدہ کے لئے:

۱۔ مسلمانوں کی جنگوں میں ان کی مالی اعانت کرنا ہر یہودی پر واجب ہوگا۔

۲۔ قبیلہ بنوعوف کے تمام یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق کی حیثیت سے مل کر رہنا ہوگا۔ مسلمان اور یہودی دونوں اپنے اپنے مذہب کے پابند رہیں گے۔

۳۔ یہ ذمہ داری بنوعوف کے غلاموں پر بھی ان کے آقاؤں کی مانند عائد ہوگی اور عدم پابندی کی صورت میں ان کے آقا ان کی طرف سے جواب دہ ہوں گے سرکشی کی صورت میں بنوعوف کے مرد بلکہ ان کے بال بچوں پر بھی مواخذہ کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ اس دفعہ میں مدینہ کے مندرجہ ذیل یہود بھی شامل ہیں:

بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جسم، بنو ثعلبہ اوران کے حلیف، جفنہ جو بنو ثعلبہ کی شاخ ہے، بنو شطبیہ

الغرض یہ دفعہ ہر یہودی قبیلہ کے حلیفوں پر لاگو ہے۔

۵۔ ان میں سے کوئی فرد یا شاخ یا قبیلہ اس دفعہ سے محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر مستثنیٰ قرار نہیں پا سکتا۔

۶۔ نہ ان میں سے کوئی فرد یا جماعت کسی کو مجروح کرنے پر مواخذہ سے بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

۷۔ ان میں جو فرد یا جماعت قتلِ ناحق کا ارتکاب کرے اس کا وبال اسکی ذات اور اہل وعیال سب پر آسکتا ہے۔

۸۔ ان (یہود) میں سے کسی پر ناحق ایسی تہمت پر اس کا ناصر اور حامی خدا ہے۔

۹۔ مسلمان اور یہود دونوں اپنے مصارف زندگی کے خود کفیل ہوں گے۔

Marfat.com

۱۰۔ دونوں میں سے جوفرداس قرارداد سے منحرف ہوگا دوسرا فریق اس باغی پر قابو حاصل کرنے میں پہلے فریق کا معاون ہوگا۔

۱۱۔ یہود اور مسلمان دونوں ایک دوسرے گروہ اور فرد کے ساتھ صلح اور نصیحت پر عامل رہیں گے اور صلح ونصیحت میں کسی قسم کی رخنہ اندازی درمیان میں نہ آنے دیں گے۔

۱۲۔ فریقین میں سے کوئی فرد یا جماعت دوسرے فریق کی حق تلفی گوارا نہ کرے گا بلکہ ایک دوسرے گروہ کے مظلوم کی حمایت کرنا اس کا فرض ہوگا۔

۱۳۔ مسلمان جب تک اپنے دشمنوں سے مصروف پیکار رہیں یہود ان کی مالی اعانت کرتے رہیں گے۔

۱۴۔ شہر مدینہ میں ایک دوسرے فریق کے ساتھ جنگ کرنا حرام ہے۔

۱۵۔ ہر فرد اپنے ہمسائے کی طرف داری اپنے نفس کی مانند کرتا رہے گا۔

۱۶۔ اس معاہدہ کے پابند افراد اور گروہ باہمی اختلاف اور تنازع کے مفسد کو خدا اور اس کے رسول محمد ﷺ کے سامنے پیش کریں گے۔

۱۷۔ شرکائے معاہدہ میں سے کوئی فرد یا جماعت قریش مکہ کو اپنے ہاں پناہ نہ دے گی اور نہ قریش مکہ کے کسی حلیف کی حمایت کرے گی۔

۱۸۔ مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں شرکائے معاہدہ میں سے ہر فرد اور جماعت حملہ آور کی مداخلت کے خلاف دوسرے فریق کی حمایتی ہوگی۔

۱۹۔ شرکائے قرارداد کسی جماعت کی طرف سے دشمن کے ساتھ مصالحت میں دوسرے گروہ میں شریک نہ ہوں گے۔

۲۰۔ دشمن سے صلح کی صورت میں اگر کسی نوع کی منفعت ہوگی تو مسلمانوں کی مانند دوسرے شرکائے قرارداد بھی اس سے منتفع ہوں گے۔

۲۱۔ البتہ جو شخص اپنے دین سے منحرف ہو جائے اس کے لئے یہ دروازہ بند رہے گا۔

۲۲۔ جنگی حالت میں معاہد فریق کے ہر فرد کو مالی اعانت میں اپنا حصہ ادا کرنا ہوگا۔

Marfat.com

۲۳۔ قبیلہ اوس کے یہود اوران (یہود) کے موالی (حلیف) بھی اس قرارداد کے اسی طرح پابند ہیں جس طرح وہ قبائل جن کا نام بنام ذکر اوپر آچکا ہے۔

حرفِ آخر:

۱۔ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ظالم اور مفسد کے سوا اور کوئی شخص نہیں کرسکتا۔

۲۔ جو شخص مدینہ میں خلوص اور امن کے ساتھ سکونت رکھے اور وہ شخص جو مدینہ سے خلوص اور امن کے ساتھ کسی اور جگہ نقل مکانی کرنا چاہے ان دونوں پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن فساد اور شرارت کرنے کے لئے قیام مدینہ اور یہاں سے ترک اقامت دونوں پر گرفت ہے۔

۳۔ جو شخص دوسروں کے ساتھ بھلائی کا طلب گار ہے۔ خدا تعالیٰ اور محمد ﷺ بھی اس کے خیر اندیش ہیں۔

میثاق نبوی ﷺ کا ارتقاء:

[''میثاق نبوی ﷺ'' کا ارتقاء آٹھویں صدی عیسوی میں ''میثاق برھمناباد'' کی صورت میں سامنے آتا ہے اور پھر عصرِ حاضر میں تمام اقوام عالم کا متفقہ اعلان ''حقوق انسانی کا عالمی منشور'' ہے۔ اکھٹے درج کرنے کا مقصد آپ کو بھی غور وفکر میں شامل کرنا ہے:]

میثاقِ برھمناباد

(۷۱۳ء)

''فتح سندھ محمد بن قاسم نے برھمناباد کی فتح کے بعد سندھ کے غیر مسلموں سے جو تصفیہ کیا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ بت پرست ہندوؤں اور بدھ مت کے پیروؤں سے مسلمانوں کے سیاسی تعلقات کا یہ پہلا موقع تھا اور غیر مسلم آبادی کے متعلق جو طریق کار اس وقت اختیار کیا گیا ہندوستان کی اسلامی حکومت کے لیے وہ چراغ راہ بنا۔ محمد بن قاسم نے بت پرست آبادی کو اہل کتاب کے برابر بلکہ ان سے کسی قدر بڑھ کر حقوق دیے۔ ان انتظامات کی تفصیل ایک نہایت قدیم (قریب قریب معاصرانہ) عربی تاریخ میں درج ہے۔ یہ اصل کتاب تو کھو

Marfat.com

گئی ہے لیکن شمالی ہندوستان میں اسلامی حکومت کے آغاز کے زمانے میں اس کا فارسی ترجمہ ناصرالدین قباچہ والی سندھ وملتان کے لیے کیا گیا۔ جو فتح نامہ سندھ یا چچ نامہ کے نام سے مشہور ہے۔اس کے کچھ اقتباسات کا اُردو ترجمہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔''

بعض روایت کرتے ہیں کہ جب قیدیوں میں داہر کے خاندان والوں کا پتا نہ چل سکا، تو محمد بن قاسم کے آدمیوں نے شہر کے رئیسوں سے ان کے متعلق دریافت کیا؛ کوئی بھی ان کا اتا پتا نہ بتا سکا؛ آخر دوسرے دن کوئی ایک ہزار کے قریب برہمن ڈاڑھیاں منڈائے محمد بن قاسم کے حضور میں پہنچے۔ محمد بن قاسم نے ان کے بارے میں استفسار کیا کہ یہ لوگ کس فوج سے متعلق ہیں اور انہوں نے یہ ہیت کذائی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ وہ برھمن خود ہی جواب میں بولے:

''اے مہربان امیر! ہمارا بادشاہ برھمن تھا؛ جب اس کے جنگ میں مارے جانے کے سبب یہ سلطنت اس کے ہاتھ سے جاتی رہی تو کچھ برھمنوں نے تو اس کی وفاداری میں خود کو ہلاک کر دیا اور باقی ماندہ نے اس کے ماتم میں زرد لباس پہن کر ڈاڑھیوں اور سروں کو منڈوا ڈالا۔ اب جبکہ خدائے بزرگ و برتر نے یہ ملک حضور کے قبضے میں دے دیا ہے تو ہم حضور ایسے منصف امیر کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ ہم باقی ماندگان کے متعلق حضور کا کیا فرمان ہے؟''

محمد بن قاسم نے کچھ دیر تامل کیا اور پھر بولا:

''مجھے اپنے سر اور جان کی قسم! یہ لوگ بڑے وفادار ہیں؛ ہم انہیں امان بخشتے ہیں، لیکن اس شرط پر کہ یہ جہاں کہیں بھی داھر کے رشتہ داروں کو دیکھ پائیں، انہیں پکڑ کر ہمارے پاس لے آئیں۔''

محمد بن قاسم کا برھمنوں سے عہد کرنا اور انہیں امان بخشنا:

محمد بن قاسم کے اس پختہ عہد پر برھمن، داھر کی بیوی لادی (لاڈی) کو کسی خفیہ گوشے سے نکال لائے۔ اس کے بعد باقی رعایا پر آں حضرت ﷺ کی سنت کے مطابق جزیہ لگایا گیا۔ جو لوگ تو مشرف بہ اسلام ہوئے انہیں غلامی اور ہر قسم کے جزیہ وغیرہ سے معاف کر دیا جو لوگ ایمان نہ لائے ان پر اس طرح سے ٹیکس لگایا کہ پہلی اور سب سے اُونچی جماعت والوں کو اڑتالیس درہم چاندی، دوسرے درجے کی جماعت والوں کو چوبیس درہم چاندی اور تیسرے درجے کی جماعت والوں کو بارہ درہم چاندی

Marfat.com

فی کس ادا کرنے ہوں گے۔ بعدازیں میں محمد بن قاسم نے اعلان کیا کہ جوکوئی حلقہ بگوش اسلام ہوجائے اُس پرکوئی جزیہ نہ ہوگا اور جوکوئی اپنے مذہب پر ہی قائم رہنا چاہتا ہے، وہ جزیہ دینا قبول کرے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین ہی کو اپنائے رکھے۔ چناں چہ بعض نے تو اسلام قبول کرلیا اور بعض (اپنے آبائی مذہب پر قائم رہتے ہوئے) جزیہ دینے پر راضی ہوگئے۔ ایسے لوگوں کی تمام املاک اور گھروں وغیرکو انہیں کے پاس رہنے دیا گیا۔

ملک کے برھمنوں اور امانت داروں کا تقرر:

محمد بن قاسم نے ان میں سے ہرایک کو اس کے مرتبے اور حالات کے مطابق مختلف امور پر مقرر کیا؛ قلعے کے چاروں دروازوں پر فوج متعین کی اور اس کے داخلی معاملات کا تمام انتظام خود ان کے سپرد کیا، پھر ہرایک کو خلعت اور تیز رفتار گھوڑا عطا کیا؛ ہاتھ پاؤں میں ہندوستان کے شاہی زیور پہنائے اور ہرایک کو اپنے دربار میں عزت کی نشست بھی عطا کی۔

صنعت کاروں، تاجروں اور کسانوں کی گنتی:

سب سے پہلے سوداگروں، صنعت کاروں اور کسانوں کو شمار کیا گیا؛ عوام الناس میں سے کوئی دس ہزار آدمی ان پیشوں سے متعلق نکلے۔ چوں کہ ان لوگوں کا مال واسباب لٹ چکا تھا، اس لیے ان پر محمد بن قاسم نے صرف بارہ درہم چاندی فی کس جزیہ لگایا۔

مال کی وصولی کے لیے افسروں کا تقرر:

اس کے بعد نمبرداروں اور بستی کے سرداروں کو مالیہ وغیرہ کی وصولی پر مقرر کیا، تاکہ وہ شہروں اور دیہاتوں سے مالیہ وصول کریں، جس سے اُنہیں قوت اور پشت پناہی حاصل ہو۔

برھمنوں کی عرض داشت:

جب برھمنوں نے یہ دیکھا کہ محمد بن قاسم نے نمبرداروں اور سرداروں کو نوازا ہے تو فکرمند ہوئے اور ایک عرض داشت لے کر، جس پر شہر کے بڑے بڑے لوگوں نے یہ گواہی دی تھی کہ پچھلے دور حکومت میں یہ لوگ صاحبان عز و جاہ تھے، محمد بن قاسم کے حضور میں پہنچے، چنانچہ اس نے بھی ان کی

Marfat.com

عزت کی اور یہ حکم جاری کیا کہ ان لوگوں کی پہلے کی طرح عزت اور قدر و منزلت کی جائے۔ ہر معاملے میں انہیں ڈانٹ ڈپٹ اور تشدد و تکلیف سے آزاد کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی کام پر مامور کیا اور اس حقیقت کو جان لیا کہ ان لوگوں سے کسی قسم کی برائی یا خیانت نہیں ہوگی۔

مختلف عہدوں پر تقرر:

چچ کے راجا کی طرح محمد بن قاسم نے بھی ان برھمنوں کو مختلف عہدوں اور اشغال پر مامور کیا۔ اس نے تمام برھمنوں کو طلب کر کے ان سے اس طرح خطاب کیا:

''داھر کے زمانے میں تم بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے، جس کے سبب تم شہر اور اس کے گرد و نواح سے بہ خوب واقف ہو، لہذا تمہاری نظر میں اگر کوئی مشہور صاحبان علم و کمال ہوں جن کی ہم پرورش و تربیت کر سکیں تو ہمیں ان کے متعلق آگاہ کرو تا کہ ان پر مہربانی و نوازش کی جا سکے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا جائے اور چونکہ ہمیں تمہاری امانت اور دیانت پر پورا پورا بھروسا ہے، ہم تمہیں تمہارے سابقہ عہدوں پر مستقل کرتے اور تمام ملکی معاملات کا انتظام تمہارے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ یہ عہدے اسی طرح تمہاری اولاد اور آئندہ نسلوں کے لیے مخصوص کر دیئے گئے ہیں؛ ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوگا۔''

برھمنوں کا دل جمعی کے ساتھ دیہات میں جانا:

چنانچہ برھمن اور عمال، مملکت کے گوشوں میں پہنچ گئے اور یہ اعلان کیا کہ:

''اے ملک کے صاحبان علم و کمال! تم سب کو یہ معلوم ہے کہ داھر مارا گیا، سلطنت کفار کا سلسلہ اب منقطع ہو چکا اور تمام سندھ اور ہندوستان میں عربوں کا فرمان جاری ہو گیا ہے۔ ملک کے تمام اشراف اور ارذال برابر ہو گئے ہیں۔ تمام شہریوں اور دیہاتیوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہمیں عرب سردار نے بڑے اچھے اچھے وعدوں کے ساتھ آپ لوگوں کی جانب بھیجا ہے۔ اگر ہم لوگ عربوں کا حکم نہیں مانیں گے تو نہ تو ہمارے پاس دولت رہے گی اور نہ کوئی ذریعہ معاش، بلکہ ہر چیز میں حاجت مند رہیں گے؛ ہاں اپنے آقاؤں کی بزرگی و بخشش کے طفیل، ممکن ہے ہمیں کوئی بلند مقام حاصل ہو جائے اور اس وقت اپنے وطن میں ہمیں کسی قسم کی بربادی و ہلاکت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اگر ہم اس مقررہ خراج کے متحمل نہیں ہو سکتے اور اس کے ادا کرنے سے قاصر ہیں تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم موقع پا کر اپنے اہل و عیال سمیت ہندوستان

Marfat.com

یا سندھ میں کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں ہماری جانیں محفوظ رہیں، اس لیے کہ جان کی سلامتی سے بڑھ کر انسان کو اور کوئی شے عزیز نہیں ہے۔ جب ہم اس بھنور سے نکل جائیں اور فوج کی سختیوں سے امن میں ہو جائیں تو ہماری دولت اور ہمارے بال بچے محفوظ ہو جائیں گے۔

دیہات اور شہر پر جزیہ مقرر کرنا:

اس پر تمام شہری اور دیہاتی لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ انہوں نے محمد بن قاسم سے دریافت کیا کہ انہیں حکومت کو کتنا جزیہ دینا ہوگا اور ان برھمنوں کو کتنا جنہیں مالیہ جمع کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے؟ محمد بن قاسم نے اپنے افسروں سے کہا:

> ''بادشاہ اور رعایا کے درمیان دیانت داری اور سچائی کا خیال رکھو۔ اگر کوئی تقسیم درکار ہو تو اسے انصاف سے کیا جائے، بہ قدر حیثیت ٹیکس لگاؤ۔ آپس میں بنا کر رکھو، ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو تا کہ مملکت برباد نہ ہو۔''

محمد بن قاسم کا لوگوں کو تسلی کے الفاظ کہنا:

اس سے ہر ایک شخص کو علیحدہ علیحدہ تسلی کے الفاظ کہے اور ان سے کہا کہ ہر طرح خوش و خرم رہو، کسی قسم کا اندیشہ یا خوف نہ رکھو، تم پر کسی قسم کی گرفت نہ ہوگی۔ ہم تم سے کوئی بھی تحریر یا قبالہ نہیں لیتے جو کچھ مقرر اور وعدہ کیا گیا ہے، بس وہ ادا کرتے رہو۔ تمہارے حق میں ہر طرح کی مہربانی اور آسانی روا رکھی جائے گی۔ تم میں سے جو کوئی جس قسم کی بھی درخواست کرنا چاہتا ہے، وہ پیش کرے، ہم اسے پوری طرح سے سنیں گے، اس کا تسلی بخش جواب دیں گے اور ہر ایک کی مراد پوری کی جائے گی۔

محمد بن قاسم کا برھمنا باد کے لوگوں کو پروانہ دینا:

برھمنوں کی جاری کردہ یہ رسم کہ تا بر، کفار اور ٹھاکر انہیں صدقے وغیرہ دیا کرتے، اور بتوں کی عبادت میں خوشی کا اظہار کرتے۔ اس سلسلے میں مندر کے پجاریوں کو سرکار کی طرف سے باقاعدہ پروانہ حاصل ہوتا تھا، ختم ہو گئی۔ لشکر کے خوف سے وہ تمام صدقات وغیرہ ان تک پہنچنے بند ہو گئے تو پجاری بھوکے، مفلس اور کنگال ہو گئے۔ آخر مجبور ہو کر وہ اس کے حضور میں آئے اور اسے دعا دیتے ہوئے یہ پیغام بھجوایا:

Marfat.com

''امیر عادل کو خدا زندگانی عطا کرے! ہم مندروں کے پجاری ہیں، ہماری روزی اور معاش بدھ مندروں کی مجاوری سے ہے۔ چونکہ حضور نے تاجروں اور کافروں پر کرم گستری کی ہے۔ان پر جزیہ لگا کر انہیں ذمی قرار دیا ہے، تو ہم غلام بھی اپنے آقا و مولیٰ سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ انہیں اس بات کا حکم دیں گے کہ وہ حسب سابق اپنے معبود کی عبادت اور بدھ کا مندر آباد کریں۔''

محمد بن قاسم نے جواب دیا:

''پایہ تخت اروڑ ہے اور یہ تمام مقامات اس کے گرد و نواح میں ہیں۔''

ہندو بولے:

''اس علاقے کی آبادی اور مرفہ الحالی برھمنوں پر منحصر ہے؛ یہ لوگ ہمارے علما اور حکما ہیں، ہماری شادی اور ماتم کی تمام رسمیں انہیں کے ہاتھوں انجام پاتی ہیں۔ ہم نے جو یہ جزیہ اور مالیہ وغیرہ دینا قبول کیا تو یہ اس امید پر تھا کہ ہر کوئی اپنے اپنے مذہب پر قائم رہے گا۔ ہمارا بدھ کا مندر ویران ہو چکا ہے اور ہم اپنے بتوں کی پوجا سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہم اپنے عدل پسند امیر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس مندر کو آباد کرنے کی اجازت فرمائے تا کہ ہم اپنے قاعدے کے مطابق اپنے بتوں کی پوجا کر سکیں اور اس طرح ہمارے وسیلے سے برھمنوں کی روزی کا سامان مہیا ہو سکے۔''

چنانچہ محمد بن قاسم نے اس سلسلے میں حجاج سے خط کتابت کی۔ چند روز کے بعد اس کی جانب سے جواب ملا:

''عزیز چچازاد بھائی کا خط ملا؛ تمام احوال سے اطلاع پائی۔ برھمنا باد کے شہریوں کی بدھ مندر کی آبادا ور اپنی قوم کی تعمیر کے متعلق درخواست کے بارے میں یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ پورے طور پر مطیع اور فرماں بردار ہو چکے ہیں، اور انہوں نے پایہ تخت کا جزیہ وغیرہ دینا اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا ہے اور چونکہ جزیہ اور مالیہ کے علاوہ ان پر اور کوئی پابندی عائد نہیں ہو سکتی، اس لیے انہیں اس امر کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنی مورتیوں کی پوجا کریں۔ علاوہ ازیں کسی کو بھی اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے سے روکا نہ جائے تا کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں امن کی زندگی بسر کر سکیں۔''

جس وقت حجاج کا خط محمد بن قاسم کو پہنچا، اس وقت وہ شہر سے باہر آ کر قیام پذیر تھا؛ اس نے

Marfat.com

اسی وقت تمام سرداروں، نمبرداروں اور برھمنوں کو اجازت دے دی کہ وہ اپنی مورتیوں کی پھر سے تعمیر کر لیں اور مسلمانوں کے ساتھ خرید وفروخت کریں؛ مطمئن رہیں اور اپنی بہتری اور بھلائی کے لیے کوشاں ہوں اور فقیروں اور برھمنوں کے حق میں پہلی سے نیکی اور احسان روا رکھیں۔ اپنے تہوار اور دیگر رسوم اپنے آباواجداد کے طریقوں پر منائیں اور ادا کریں۔ وہ صدقات جو پیش ازیں برھمنوں کو دیے جاتے تھے، قدیم طریقے کے مطابق اور حسب دستور سابق انہیں پھر سے دیے جایا کریں۔ اصل مال کے تین فیصد درہم میں سے جتنے واجب سمجھیں انہیں دیں، باقی رقم متعلقہ اصحاب کی باقاعدہ تحریر کے ساتھ نائبوں کی موجودگی میں خزانے میں محفوظ کراوایا کریں۔ اشخاص متعلقہ اور امرا کے لیے روزینہ اور تنخوائیں مقرر کریں۔ ان شرطوں اور وعدوں پر تمیم ابن زید القیسی اور حکم بن عوانہ کلبی کو درمیان میں لایا گیا اور برھمنوں سے یہ طے پایا کہ وہ (صدقات وغیرہ) کے حصول کے لیے تانبے کی زنبیل ہاتھ میں لیے لوگوں کے دروازوں پر جایا کریں تاکہ لوگوں کو جو کچھ غلہ وغیرہ میسر ہو اس میں اُن کا واجب حصہ ان کو مل جایا کرے اور اس طرح وہ بھوکوں مرنے سے بچ جائیں۔

محمد بن قاسم کا برھمنا باد کے لوگوں کو امان اور معافی کا پروانہ دینا:

تب محمد بن قاسم نے برھمنا باد کے گردونواح کے لوگوں کی درخواست کو قبول اور ان کی خواہش کو پورا کیا اور اپنے پاؤں مضبوط کرنے کے لیے عراق وشام کے یہودیوں، آتش پرستوں، مغوں اور مجوسیوں کی طرح انہیں اپنے اپنے گھروں کو واپس کر دیا اور ان کے نمبرداروں کو ''روانہ'' (رانا) کے نام سے موسوم کیا۔ (فتح نامہ سندھ، المعروف بہ چچ نامہ۔ ص: ۲۰۷-۲۱۴) (دربار دھلی)

حقوق انسانی کا عالمی منشور

حقوقِ انسانی کا عالمی منشور:

صدیوں کی مسافت کے بعد دسمبر ۱۹۴۸ء میں انسانیت اپنی انسانی حیثیت سے ایک عالمی انسانی حقوق کی دستاویز کو نصب العین بنانے پر راضی ہوئی۔ یہ کہنے میں باق نہیں کہ ''میثاق مدینہ'' کی یہ ترقی یافتہ صورت ہے۔ تمام اقوام کو ایک نصب العین کا درس ہی تعلیمات محمد ﷺ کا مرکزی نقطہ ہے۔ بیسویں صدی کے

Marfat.com

نصف میں اقوام عالم اس آفاقی و بین الاقوامی منشور و نصب العین پر بالآخر پہنچی یہ پیغام محمد ﷺ کی کامیابی ہے۔اس عالمی منشور کے ۳۰ نکات درج ذیل ہیں:

(۱): تمام انسان آزاد پیدا ہوتے ہیں اور عزت و حقوق میں برابر ہوتے ہیں۔انہیں عقلی اور شعور سے نوازا گیا اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ روح کے تحت معاملات کرنے چاہیں۔

(۲): ہر کوئی اُن تمام حقوق اور آزادیوں کا حق دار ہے جو اس منشور میں داخل ہیں، بغیر کسی تفریق کے جس میں نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاست یا دوسرے تصورات، مثلاً قومی یا اسلامی پس منظر، دولت، پیدائش یا کوئی دوسرا رُتبہ شامل ہیں۔

مزید یہ کہ کسی ملک یا علاقے کی سیاسی حیثیت یا بین الاقوامی مرتبہ جس سے کوئی شخص تعلق رکھتا ہے، ہرگز اس بنا پر تفریق نہ ہوگی چہ جائیکہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو، ٹرسٹ کی صورت ہو، آزادانہ حکومت نہ ہو یا حکومت کی کوئی شکل ہو۔

(۳): ہر کوئی (جہاں کہیں ہے) زندگی، آزادی اور شخصی حفاظت کا حق رکھتا ہے۔

(۴): کسی کو کسی بھی صورت میں شخصی یا قومی غلامی میں نہ لیا جائے گا نہ غلام رکھا جائے گا اور غلاموں کی تجارت پر پابندی ہوگی۔

(۵): کسی کو کسی صورت میں اجازت نہ ہوگی کہ وہ کسی کو اذیت، ظلم، غیر انسانی یا تحقیر آمیز سلوک کرے یا سزا دے۔

(۶): ہر شخص کو قانون تک رسائی کا حق حاصل ہے۔

(۷): ہر شخص قانون کے سامنے برابر ہے اور وہ بغیر کسی تفریق کے برابری کی بنیاد پر قانون کے ذریعے حفاظت کا حقدار ہوگا۔کسی تفریق کی بناء پر اس چارٹر میں دیئے گئے حقوق کی خلاف ورزی پر تمام لوگ مساوی حمایت کے مستحق ہوں گے اور ایسی ہر امتیازی ترغیب کے خلاف ہوں گے۔

(۸): ہر ملکی آئین یا قانون کے تحت حاصل حقوق کی خلاف ورزی پر اُس ملک کی صاحب اختیار عدلیہ ازالہ کرنے کی پابند ہے۔

Marfat.com

(۹): کوئی شخص بھی غیر قانونی طور پر گرفتار، زیر حراست یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

(۱۰): ہر شخص کو مساوی وشفاف طور پر بغیر کسی تفریق کے اُس کے حقوق اور ذمہ داریاں اور کسی مجرمانہ مقدمہ میں اُسے یہ حق حاصل ہے کہ ایک آزاد اور غیر جانبدار ٹربیونل سماعت کرے۔

(۱۱): (ا): ہر وہ شخص جس پر تعزیراتی الزام ہو، اُس وقت تک ملزم تصور نہ ہوگا جب تک سرکاری سطح پر مجرم ثابت ہو کر سزاء نہ پائے اور اُسے اپنے دفاع میں تمام سہولیات حاصل ہوں۔

(ب): ہر وہ شخص مجرم ثابت نہ ہوگا جو کسی ایکٹ یا غلطی کی بنا پر ہو جو ایک تعزیراتی الزام نہ بنتا ہو جب یہ وقوعہ ہوا تھا۔ یہ قومی و بین الاقوامی سطح پر موثر ہوگا۔

(۱۲): کوئی اتھارٹی کسی کی شہرت وعزت اُس کی رازداری، خاندان، گھر اور خط وکتابت پر بے قاعدہ وغیر قانونی مداخلت نہیں کر سکتی ہے۔ اس طرح کی خلاف ورزی پر ہر شخص کو قانونی حق حاصل ہوگا۔

(۱۳): ہر شخص کو جگہ ورہائش بدلنے کا حق حاصل ہے چاہے وہ اپنی ریاستی حدود ہو یا باہر۔ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا ملک چھوڑ دے اور جب چاہے پھر واپس بھی آجائے۔

(۱۴): ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پناہ گزینی میں ایذا رسانی سے محفوظ رہے۔ یہ حق اُسے ایسی صورت میں حاصل نہ رہے گا۔ جب غیر سیاسی جرائم، مقصد کے خلاف عمل اور اقوام متحدہ کے اصولوں کی خلاف ورزی ہو۔

(۱۵): ہر شخص کو اپنا قومی تشخص رکھنے کا حق حاصل ہے۔ کسی شخص کی وطنی شناخت کو ظالمانہ انداز سے محروم نہیں کیا سکتا اور نہ ہی وطنی شناخت کی تبدیلی سے روکا جا سکتا ہے۔

(۱۶): بالغ مرد اور عورت بغیر کسی نسلی، قومی یا مذہبی حد بندی کے شادی اور خاندان شروع کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ شادی، بعد از شادی اور بصورت علیحدگی برابر حق رکھتے ہیں۔ شادی دونوں فریقوں کی مرضی پر منحصر ہوگی فیملی کا آغاز قدرتی اور بنیادی طور پر سماجی ضرورت ہے جسے سماجی اور ریاستی سطح تحفظ حاصل ہوگا۔

(۱۷): ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ انفرادی یا اجتماعی حیثیت میں جائیداد کا مالک ہو اور کسی کو حق نہیں کہ اُس کی جائیداد کو کوئی زبردستی چھین لے۔

Marfat.com

(۱۸): ہر شخص کو اظہار، ضمیر اور مذہب کی آزادی حاصل ہے۔ اس میں اسے مذہب یا عقیدہ کی تبدیلی کا بھی حق حاصل ہے اور پبلک و پرائیویٹ حیثیت سے انفرادی و اجتماعی طور پر مذہب و عقیدہ کے تحت سیکھنا، سکھانا اور عبادت کا حق رکھنا ہے۔

(۱۹): ہر شخص نقطہ نظر اور اظہار کا حق رکھتا ہے۔ اس میں بغیر کسی کی مداخلت کے اپنا نقطہ نظر شامل ہے۔ وہ خواہش کر سکتا ہے۔ حاصل کر سکتا ہے۔ معلومات دے سکتا ہے اور اپنے نظریات بغیر کسی سرحدی حد بندی کے میڈیا پر دے سکتا ہے۔

(۲۰): پُرامن انداز سے اسمبلی یا ایسوسی ایشن ہر شخص کا حق ہے اور کوئی کسی کو زبردستی اس میں شامل نہیں کر سکتا۔

(۲۱): ہر شخص کو اپنی ریاست کی حکومت میں براہ راست یا بالواسطہ منتخب نمائندوں کے ذریعے شرکت کا حق ہے اور اپنے ملک کی خدمت میں مساوی حق رکھتا ہے۔ عوامی رائے ہی حکومت کا معتبر ذریعہ ہو۔

(۲۲): ہر شخص معاشرے کا ایک ممبر ہے۔ اس لیے سماجی تحفظ (سوشل سیکورٹی) کا وہ حق دار ہے۔ یہ قومی و بین الاقوامی کوششوں کے تحت ہر ریاست کی تنظیم اور وسائل سے وابستہ ہے۔ معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کسی شخصیت کے آزادانہ ترقی کے لیے ضروری ہیں۔

(۲۳): ہر آدمی کو کام اور پیشہ اختیار کرنے، مناسب ماحول اور روزگار حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ بغیر کسی تفریق کے ایک کام کے لیے سب کو یکساں تنخواہ کا حق ہے۔ تنخواہ یا معاوضہ کی صورت اتنی ہو کہ وہ شخص اپنی فیملی کے ساتھ باعزت زندگی گزار سکے۔ ہر شخص ٹریڈ یونین بنانے یا ممبر بننے کا حق رکھتا ہے۔

(۲۴): ہر شخص کا آرام کرنا اور تفریح کرنا حق ہے۔ مناسب اوقات کار میں کام کرے اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیاں لے۔

(۲۵): ہر شخص مناسب صحت و اچھے انداز جس میں خوراک، لباس، مکان، میڈیکل سروس اور ضروری سماجی سروس کا حق رکھتا ہے۔ بیماری، معذوری، بیوہ ہونے بڑی عمر کے سبب بے روزگاری میں مکمل ریاستی تحفظ فراہم کرنا ضروری ہے۔ ماں اور بچہ کی خصوصی نگہداشت اور مدد ان کا حق ہے اور تمام بچوں کو برابر سماجی تحفظ فراہم کرنا۔

Marfat.com

(۲۶): ہر شخص تعلیم کا حق رکھتا ہے۔ تعلیم ابتدائی سطح سے ایلیمنٹری سطح پر بلا معاوضہ ہو۔ ایلیمنٹری تعلیم لازمی ہو۔ پیشہ ورانہ تعلیم جہاں تک میسر ہو اور اعلیٰ تعلیم تک ہر ایک کی رسائی ہو۔ میرٹ کا قانون لازمی ہو۔ تعلیم کا مقصد شخصیت کی اعلیٰ تعمیر اور انسانی حقوق کے احترام میں اضافہ اور بنیادی آزادی کے لیے ہو۔

اس میں سمجھ داری، برداشت اور دوسری اقوام و نسل و مذہب والوں سے دوستی کا پروان چڑھانا ہو۔ اقوام متحدہ کے تحت امن کی ترقی بھی مقصد ہو۔ والدین کو بچوں کے لیے طریقہ تعلیم تجویز کرنے کا حق ہے۔

(۲۷): ہر شخص کو ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا آزادانہ حق ہے۔ آرٹ کے علاوہ سائنسی ترقی کے فوائد کا حصول کا بھی حق رکھتا ہے۔ ہر مصنف یا ایجاد کنندہ کو اخلاقی و مادی حق حاصل ہے کہ اُس کی تخلیق کی حفاظت ہو۔

(۲۸): ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اس دستاویز میں مذکور حقوق اور آزادیوں کا حصول ممکن بنائے۔

(۲۹): ہر شخص کا فرض ہے کہ معاشرے میں اپنی شخصیت کو مکمل آزادی سے تعبیر کرے مگر اپنی حدود کے اندر اور دوسرے کی حدود میں دخل دیئے بغیر ایسا ممکن ہو اور یہ حقوق اور آزادیاں اقوام متحدہ کے اصولوں کے مغائر نہ ہوں۔

(۳۰): تمام حقوق اور آزادیاں جو اس دستاویز میں بیان ہوتی ہیں۔ ریاست اس کے مغائر اقدام کرنے کی مجاز نہ ہے۔

''میثاق مدینہ'' اور ''جدید معاہدہ عمرانی'' میں تنظیمِ معاشرت اور اصول حکمرانی میں حیران کن حد تک یکسانیت ہے۔ میثاق مدینہ کی بنیادی روح اُس وقت، اُس معاشرے میں بسنے والے تمام گروہوں، قبیلوں اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں اُن کی مرضی و منشا کے مطابق شمولیت تھی۔ یہی آج کے معاہدہ عمرانی کی شرط ہے۔(۷)

تنظیمِ معاشرت کے لئے منظّم گروہ یعنی سیاسی جماعت آج کی ضروری شرط ہے اور میثاق مدینہ میں یہ الفاظ ''ہر شش گروہ سیاسی طور پر ایک جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' دراصل مقصد کی خاطر

Marfat.com

آگے بڑھنے کے مشترکہ حرکت وفعالیت کا ایک ابدی اصول ہے۔آگے چل کر گروہ تقسیم ہوتے ہیں اور مزاحمت بھی ایک دوسرے کی کرتے ہیں کیونکہ قانون قدرت یہی ہے۔

ایک نئے مذہب (اسلام) کی بنیادی ڈالی جارہی ہے۔بانی مذہب نبی اللہ محمد مصطفےٰ ﷺ اس معاہدہ کے محرک اور وضع اصول کے متفقہ سرپرست ہیں۔تمام گروہوں، تمام مذاہب (یہودی، نصرانی، بُت پرست یا غیر مسلم) کے سربراہان ونمائندگان نے اس شرط پر اتفاق کیا کہ ہر شخص کو اپنا عقیدہ ومذہب رکھنے کی آزادی ہوگی۔انسانی تجربات نے آج اسی اصول کو اقوام متحدہ اور تمام ممالک خصوصاً یورپ میں زیادہ شدومد سے نافذ کیا ہے۔مغرب نے اسے ''سیکولرزم'' کہا اور ہم نے ترجمہ میثاق مدینہ کی روح کے برعکس کردیا اور مسلمانوں کو غلط پیغام دے دیا۔مناسب ترجمہ رواداری کے بجائے ''لادین'' کیا اور فتوی صادر کردیا۔

دیت کے معاملات کو سابقہ قوانین کا پابند کردیا گیا۔(۸) یاد رہے اسلام کے باقاعدہ قوانین کے لئے ابھی وحی نہیں آئی تھی۔سابقہ رسم ورواج کو معاہدہ کا حصہ بنانے کا پیغام یہ تھا کہ تنظیمِ معاشرت جن قوانین واصولوں پر رواں ہو، اُن میں اُس وقت تک تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے جب تک ان کی جگہ اُن سے بہتر قوانین واصول نہ آجائیں۔

اس معاہدہ کی بنیادی ''روح'' اقتدار وقومی فیصلوں میں طاقت وروں کی اجارہ داری کا خاتمہ تھا۔مدینہ کے تمام قبائل کے نمائندگان چاہے چھوٹے تھے یا بڑے، کمزور تھے یا طاقت ور اس معاہدہ میں شریک کار تھے۔سب کو یہی پیغام دیا گیا کہ اس معاہدہ کی رو سے قانونی لحاظ سے ہم سب برابر ہیں۔عقیدہ ومذہب سب کا اپنا اپنا باقی رہے گا البتہ اس ریاست مدینہ کے باسی ہونے کے ناطے سب کے شہری حقوق برابر ہوں گے۔یوں طاقت وروں کو یہ پہلا پیغام تھا کہ تنظیمِ معاشرت میں ہر فرد و نفس برابر کے شریک ہیں۔

تنظیمِ معاشرت اور ریاست واقتدار کے دائرے میں طاقت وروں اور کمزوروں کے درمیان یہ پہلا باقاعدہ معاہدہ تھا جس کے بعد کمزوروں کو اپنے حقوق کی پہچان اور حوصلہ ملا۔اس حوصلہ کا محرک اللہ کا نبی ورسول ﷺ تھے۔

Marfat.com

یہ وہ بنیادی فکر تھی جس نے آہستہ آہستہ انسانی معاشروں میں آگے بڑھنا شروع کیا اور ایک طویل جدہ جہد اس ضمن میں جاری رہی۔ مسلمان دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکمران ہوئے۔ سرکشوں کی سرکوبی شائد حکمرانی کا بھی پہلا اصول ہے کیونکہ یہ باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی بنیادی شرط ہے۔ ''میثاق مدینہ'' کے کچھ عرصے بعد ہی ایک یہود قبیلے نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کر کے سرکشی کی اور اُس کی سرکوبی کی گئی۔

آگے چل کر مسلم حکمرانی کے انداز بدلتے گئے، طاقت وروں اور کمزوروں کا رشتہ مثالی نہ سہی مگر جدو جہد جاری رہی۔ لیکن ایک اصول ضرور کارفرما رہا کہ دوسرے مذاہب کے لوگ محض ایک ٹیکس (جزیہ) دے کر اپنے تحفظ کو یقینی بنا لیتے تھے۔ ''میثاق برھمنا آباد'' آٹھویں صدی میں عرب سے باہر ''ہندوستان'' میں ہوا۔ راجہ داہر اور اُس کی فوج اور قوم کی شکست ہوئی۔ اُس دور میں شکست کے بعد کے اصول وضابطے بہت خوفناک تھے۔ مسلم حکمران نے وہ بدل دیئے اور لوگوں کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ ''میثاق مدینہ'' کی روح کے مطابق ''انسانیت'' کی بنیاد پر سلوک کیا۔ حیثیت کے مطابق جزیہ لگایا، آج بھی ٹیکس صنعتکار و تاجر کی حیثیت اور اضافی رقم پر لگتا ہے۔ معاملات مقامی لوگوں یعنی برہمنوں کے سپرد کرنا، مندروں اور مورتیوں کو دوبارہ بنانے کا اجازت نامہ اور امن کا پروانہ دینا ایسے اقدامات تھے جو ''میثاق مدینہ'' یا ''معاہدہ عمرانی'' کا ارتقاء تھا۔

طاقت وروں اور کمزوروں اور ریاستی نظم ونسق میں ہر فرد کی شرکت کو یقینی بنانے کی جدو جہد سولہویں صدی میں خصوصاً یورپ میں نمایاں طور پر سامنے آئی اس جدو جہد کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مذہب کے نام پر طاقت وروں اور طاقت کے بل بوتے پر آمروں کو شکست ہوئی۔ مذہب کے تصور کو عقائد سے اوپر عمل کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ ہوا۔ آمرانہ طاقت کو عوامی شرکت کے تصور سے شکست دی۔ مذہبی عقل کو عملی میدان میں سیکولریزم کا نام دیا اور عوامی شرکت کے تصور کو جمہوریت کا نام دیا گیا، یہ دو اصطلاحیں ہیں اگر مسلم دنیا کو یہ پسند نہ ہوں تو وہ ان کے متبادل بھی لا سکتے ہیں۔

اقتدار و قومی فیصلوں میں بلا امتیاز مذہب، رنگ، قبیلہ، زبان اور علاقہ شرکت کو یقینی بنانے کے لئے میثاق مدینہ کی روح کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اب یہ ضروری نہیں کہ اس عمل میں ''میثاق مدینہ'' زیر

Marfat.com

بحث آیا ہو۔ جو چیز زیر بحث آئی وہ سابقہ صدیوں کا تجربہ اور علم تھا جو تاریخی لحاظ سے محفوظ تھا۔ علم ایک مسلسل رو ہے۔ ایک مسلسل عمل ہے۔ یہ مذہب، رنگ، قبیلہ، زبان اور علاقہ کی قید سے آزاد آگے بڑھتا ہے اور انسان کو نئی حکمت عملی دیتا ہے۔ نئے تصورات وخیالات دیتا ہے۔ علم کا یہ ذخیرہ، تاریخ جمع کرتی ہے، محفوظ بناتی ہے اور اگلی نسل کو تھما دیتی ہے۔ ''میثاق مدینہ'' انہی تاریخی ذخیروں میں سے ایک ہے، جس کے محرک آخری نبی ﷺ تھے۔ بیسویں صدی کے انسان نے ''حقوق انسانی کا عالمی منشور'' مرتب کر کے شعور نبوت کو آگے بڑھایا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں قائم ہونے والے ادارہ ''اقوام متحدہ'' نے حقوق انسانی کا عالمی منشور'' منظور کیا۔ اس کو مرتب کرنے کی بھی ایک طویل تاریخ ہے۔ بل کی صورت میں ۱۹۶۶ء میں منظوری ہوئی۔ اس کے نقات بھی ''انسان'' اور ''انسانیت'' کی بنیاد پر ہیں۔ ''میثاق مدینہ'' کی روح نمایاں ہے۔ وقت جتنا آگے بڑھا ہے اور انسان جتنا باشعور ہوا ہے اُس کی بنیاد پر یہ عالمی منشور بنا۔ یہاں اس کے اندراج کا مقصد یہ ہے کہ وہ غور وفکر کرے کہ فکر کیسے آگے بڑھتی ہے۔

میثاق مدینہ کے تحت بڑی کامیابی یہ تھی کہ آپ ﷺ نے باوجود کہ وہ اسلام کی نئی تحریک کے بانی ہیں اور سربراہ ریاست مدینہ ہیں، یہ معاہدہ کیا کہ مذہب اختیار کرنے اور اُس کے عقائد پر عمل کرنے میں اس طرح آزاد ہوں گے کہ دوسرے کسی فریق کو مذہبی وعقائدی معاملات میں دخل دینے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ مسلمانوں کو یا ریاست کو یہ حق دیا کہ وہ دوسروں کے مذاہب میں مداخلت کریں'' حقوق کا تعین مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ ریاست کے برابر شہری ہونے کے ناطے کیا اور سابقہ رسوم ورواج کو معاملات کے حل میں اہم مآخذ کے طور پر برقرار رکھا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کا اقتدار وسیع ہونے لگا۔ وحی کے احکام بہت حد تک نئی صورت میں ظہور پذیر ہو چکے تھے۔

یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ''میثاق مدینہ'' کی روح نے آگے انسانوں، خاندانوں، معاشروں اور قوموں کے ذریعے سفر کیا۔ اثرات مرتب کیے ہیں۔ عمل ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس وقت یہ اثرات ایک خاص نسبت سے مغرب میں زیادہ ہیں اور مسلم ممالک میں آمرانہ حکومتوں اور مذہب اسلام کے نام پر جابرانہ اور قاہرانہ مزاج کی وجہ سے اثرات معدوم ہو چکے ہیں۔ مذہبی جابرانہ وقاہرانہ نظام یہاں تک تسلط جمائے بیٹھا ہے کہ ایک مسلک کو قرآن وحدیث کے ساتھ اپنی مرضی سے جوڑ کر اُس کے خدائی

Marfat.com

اسلام کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ دوسرا اس پاداش میں فتویٰ کا مستحق ٹھہرا کر کافر قرار دیا جاتا ہے اور پھر اُس کے خلاف جہاد عین فرض قرار دے کر جنگ وجدل کی جاتی ہے۔ یہ کیفیت تمام مسلم معاشروں میں انارکی کا سبب ہے۔ یہی کیفیت یورپ میں پندرھویں، سولہویں صدی عیسوی میں کارفرما تھی اور اُس انارکی کا نتیجہ سابقہ طبقات کے خلاف بغاوت تھی اور اس بغاوت کے نتیجے میں انہوں نے انسان کو ترقی کے آسمان پر پہنچا دیا اور انسان کی یہ ترقی نہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے اور نہ خدا کی منشاء کے خلاف ہے۔

''میثاق مدینہ'' میں تمام قبائل و مذاہب کے سرکردہ و نمائندہ افراد نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو آئینی سربراہ قرار دیا۔ عوامی شرکت کا یہ پہلا واضح اعلان تھا۔ آپ ﷺ نے فیصلوں میں دوسرے لوگوں کو شریک کیا۔ یہود کے ایک قبیلے نے خلاف ورزی کی تو یہود کے ایما پر ہی فیصلہ کے لئے ایک دوسرے فرد کو مقرر کیا گیا۔ انسانوں پر انسانی حکومت کا یہی تصور ''خلافت'' کا نام پاتا ہے۔ خلافت کا تصور آنے تک مسلم حکومت میں خاصی توسیع ہو چکی تھی اس کے باوجود میثاق مدینہ کی روح کے مطابق ہی قوانین سلطنت بنائے جاتے تھے۔ ''بیعت'' یعنی جو حاکم یا خلیفہ بنے گا، براہ راست دست مبارک پر ہر عام کی رائے لے گا۔ خلافت راشدہ کے بعد بھی ''بیعت'' کا یہ نظام چلتا رہا۔ اس میں کمزوریاں آنے لگیں اور رفتہ رفتہ طاقت وروں نے جابرانہ قسم کی بیعت لے کر آمرانہ نظام قائم کر لیے، یہ آمرانہ نظام بادشاہوں، شہنشاہوں اور ظلِ الٰہی کی صورت اختیار کر گیا۔ مسلم ملکوں میں عوامی شرکت یا بیعت کو بھلا دیا گیا اور اکیسویں صدی میں بھی وہاں شہنشاہیت قائم ہے جہاں ''میثاق مدینہ'' لکھا گیا، جہاں چودہ صدیاں پہلے لوگ اپنی مرضی سے اپنا حق رائے دہی ''بیعت'' استعمال کر لیتے تھے۔ زیادہ تر مسلم ممالک میں یہی ہے اور جہاں عوامی شرکت کو موقع دینے کا رجحان بڑھا رہا ہے وہاں مصر کی طرح راتوں رات اپنی فوج ہی اپنے ملک کو فتح کر لیتی ہے۔

گزشتہ چند صدیوں میں یورپ میں اقتدار، حکمرانی اور عوامی شرکت کی تحریک چلی۔ اس تحریک میں ''میثاق مدینہ'' اور ''خلافت'' کی بنیادی روح نمایاں نظر آتی ہے۔ اس کا یورپی یا انگریزی نام ''ڈیموکریسی'' ہے۔ اُردو میں ہم نے اس کا ترجمہ ''جمہوریت'' کیا اور ساتھ ہی کافرانہ فتویٰ شد و مد سے جاری کر دیا۔ کیونکہ مسلم حکمران جو آمر، فوجی ڈکٹیٹر اور بادشاہ، شہنشاہ وغیرہ تھے ''جمہوریت'' اُن کے لئے

Marfat.com

دائمی موت کا پیغام تھی۔اس لئے وہ کافر قرار پائی اور آمر، فوجی آمریت، بادشاہیت اور شہنشاہیت عین اسلام قرار پائی۔حالاں کہ ''میثاق مدینہ'' اور ''خلافت'' کی بنیاد ہی ان کے خلاف بغاوت ہے۔''میثاق مدینہ'' میں ریاست کے تمام افراد کی نمائندگی کو یقینی بنایا گیا ور اہم ترین بات ''انسان'' ہی کو فیصلوں کا اختیار دیا گیا۔آپ ﷺ کی موجودگی میں دوسرے گروہوں یا انسانوں کا کوئی فیصلہ کرنا اس بات کا غماز تھا کہ کسی بھی ریاست میں جو لوگ بستے ہیں اقتدار میں اُن کی شرکت ومشاورت کو ممکن بنانا ہے۔خلافت کے تصور میں پہلی شرط ہی بیعت ہے کہ براہ راست ایک فرد کو ماننے یا نہ ماننے کا حق تھا۔یہی وہ بنیادی پیغام آگے بڑھا۔جستجو بھی رہی جدوجہد بھی رہی، بالآخر خدا نے یہ کام مسلمان قوم کے علاوہ ایک دوسری قوم سے لیا۔''جمہوریت'' کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ تمام ریاستی افراد ''انسانوں'' کو ایک تحریری معاہدہ عمرانی کرنا ہے۔ہر فرد اقتدار میں بدرجہ شرکت کرے گا۔تحریری نظام کی رو سے اپنا ووٹ استعمال کرے گا۔بہتر لوگوں کا انتخاب کرے گا۔جو ریاست کو چلائیں گے۔درست نہ چلانے کی صورت میں ایک مقررہ مدت کے بعد لوگ پوری ٹیم بدلنے پر قادر ہوں گے۔

تحفظ جان، تحفظِ مال اور تحفظِ عزت، یہ سہ نکاتی فلسفہ ہر سماج، ہر معاشرہ اور ریاست کا نصب العین پہلے بھی تھا، اب بھی ہے اور اس کے لئے مطلوبہ جدوجہد جاری رہے گی۔یوں تو سہ نکاتی ایجنڈا تمام انبیاء کا نصب العین رہا ہے۔خاندان وقبائل اور حکومتی افراد کی اہمیت ان نکات کے گرد گھومتی رہی ہے۔''میثاق مدینہ'' میں سب سے زیادہ توجہ انہی نکات پر تھی۔جان لینے، ماسوائے حالت جنگ میں اور چوری، ڈاکہ، مال ہتھیانے کے تمام طریقوں پر پابندی ماسوائے مال غنیمت اور ہر شخص اور اُس کے افراد کنبہ خواتین وحضرات کی آبرو کا احترام ہر صورت میں معتبر ٹھہرا۔یہ سہ نکاتی فلسفہ مسلسل آگے بڑھتا رہا۔مسلم حکمرانی میں جا بجا اسے مدنظر رکھنے کی جدوجہد جاری رہی خصوصاً قانون دان یعنی حضرات فقہاء نے بہت باریک بینی سے اس ضمن میں قوانین مرتب کیے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ غیر مسلم دنیا میں بھی ایجنڈا یہی رہا ہے۔جب کہیں اور جہاں کہیں معاہدہ عمرانی یا ریاستی آئین تشکیل دیا گیا، بنیادی نکات ہمیشہ یہی رہے ہیں۔

یہ سہ نکاتی نصب العین کہاں تک حاصل ہو سکا، یہ سوال طویل بحث کا متقاضی ہے۔جو اس

Marfat.com

تحریر میں ممکن نہ ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ مکمل ناکامی نہیں ہوئی ہے۔ شعور انسانی نے ان بنیادی امور پر ترقی کی ہے۔ احساس اُجاگر ہوا ہے لیکن طویل مسافت ابھی نظر آتی ہے۔ بہت کرنا ابھی باقی ہے۔ جان اب بھی ناحق جاتی ہے، مال اب بھی ناحق لوٹا جاتا ہے۔، آبرو اب بھی سرِ عام تار تار ہوتی ہے۔ غالباً یہ نظامِ فطرت کی گونا گوں ہے۔ شاید انسانی جدو جہد اور شعور کے یہ بنیادی اجزاء ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ منشا خداوندی ابھی یہی ہے۔

جان اب بھی ناحق جاتی ہے۔

مال اب بھی ناحق لوٹا جاتا ہے۔

آبرو اب بھی سرِ عام تار تار ہوتی ہے۔

تو کیا!

انبیاء کی جدو جہد ناکام ہوگئی ہے؟

خاتم النبین ﷺ کی محنت رائیگاں گئی ہے؟

ولا خوف علیہم ولا ھم یحزنون کا نتیجہ ابھی باقی ہے؟

''میثاق مدینہ'' کے اثرات مرتب نہیں ہو سکے ہیں؟

فقہاء کی سعی بے کار گئی ہے؟

انسان کی صدیوں کی جدو جہد نتیجہ خیز نہیں ہو سکی ہے؟

سولہویں سترھویں صدی میں یورپی جدو جہد ناکام ہوگئی ہے؟

اقوام متحدہ کا چارٹر محض کاغذ کا پرزہ رہ گیا ہے؟

خلافت یا جمہوریت کیا ناکام انداز حکمرانی ثابت ہوا ہے؟

کیا آج جمہوریت محض فریب کارانہ اقدامات کی چھڑی ہے؟

آفاقی ازم، کیا طاقت وروں کا نیا پُرفریب نعرہ مستانہ ہے؟ ___ نہیں ہرگز نہیں سب ایسا بھی نہیں ہے۔

انسانی جدو جہد ابھی باقی ہے۔ انبیاء کی جدو جہد ناکام نہیں ہوئی، خاتم النبین ﷺ کا پیغام اور

Marfat.com

محنت ہی ہے جو چودہ صدیاں بعد اپنی پوری طاقت اور آب وتاب سے نمایاں اور جاری ہے۔ ''میثاق مدینہ'' سے راہ پانے والا شعور، انسان، عوامی شرکت اور سہ نکاتی ایجنڈا کی بنیاد پر دن بدن آگے بڑھا ہے۔ فقہاء وحکماء نے ہر عشرے، ہر صدی میں انسانیت نواز اقدامات کی مسلسل نشاندہی کی اور عمل پیرا ہونے کے طریقے بتائے اور بڑی حد تک نتیجہ خیزی کے ضامن بنے۔ انسانوں کی صدیوں پر مشتمل جدوجہد ناکام نہیں ہوئی۔ گو ابھی کرنے کو بہت باقی ہے مگر جو ہو چکا ہے وہ کسی طور کم نہیں ہے۔ ۱۴، ۱۵ صدی عیسوی میں برپا ہونے والی جدوجہد کم از کم یورپ میں ابھی کم نہیں ہوئی۔ اقوام متحدہ کا ادارہ ہو یا موجودہ یورپی پارلیمنٹ، کم از کم یورپ کی حد تک کامیاب اقدامات ہیں۔ عالمی حقوق انسانی کا چارٹر ایک نصب العین چارٹر کے طور پر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جمہوریت قطعاً ناکام نہیں ہوئی۔ اس وقت یہ کامیاب ترین معاہدہ ہے۔ اس میں کمی بیشی دور کیے جانے کا خودکار نظام موجود ہے۔ بے شک اس میں ابھی بہت ہونا باقی ہے مگر یہ آنے والا آج کے انسان سے زیادہ باشعور انسان کرے گا۔ جمہوریت کو محض فریب قرار دینا درست نہیں ہے۔ یہ جابرانہ نظام سے چھٹکارے کا کامیاب ترین حربہ ہے۔ فریب کارانہ رویے قطعی طور پر ریاستی لوگوں کے فطری رویوں کے عکس ہو سکتے ہیں مگر یہ عوامی شعور کے ساتھ بہتر ہو جاتے ہیں۔

یورپ میں کم از کم اپنے ریاستی شہریوں کی حد تک جان اب ناحق کم جاتی ہے۔ انسانی جان کی اپنی ریاستی حدود تک حفاظت ایک بڑا مقصد ہے۔ مال کو لوٹے جانے کی کم از کم ریاستی یا حکومتی سطح پر بہت کمی آئی ہے۔ البتہ معمولی پیمانے پر انفرادی چوری ڈاکے کی وارداتیں ضرور ہوتی ہیں مگر قانون ان کا کامیابی سے پیچھا کرتا ہے۔ عزت وآبرو کا ایک معیار یورپ کے ریاستی معاہدوں میں قائم کیا گیا ہے۔ اُس پر کامیابی سے عمل پیرا ہیں۔ عورت کی عزت ووقار میں بلاشبہ اضافہ ہوا ہے۔ اُس کی آزادی کو ممکن بنانے کی سعی ہوئی ہے۔ جنسی آزادی کی حدیں مقرر کی گئی ہیں جن سے مشرق یا اسلام اختلاف بھی رکھتا ہو مگر اس کو عورت کی آزادی اور منشاء سے منسلک کر کے ایک قانونی شکل دی ہے۔ یہاں تک کہ گھور کر دیکھنے پر بھی قانون گرفت میں لیتا ہے۔ لیکن انسان ایک حیوانی جبلت بھی رکھتا ہے۔ اس سے خاندانی مسائل میں اضافہ ہوا ہے خاندان دراصل معاشرے اور ریاست کی ایک اکائی اور بنیاد ہے۔ یہ اکائی

Marfat.com

کمزور ہوتی ہے۔ بچوں کی پرورش وتربیت والدین کے بجائے ریاست کے پاس چلی گئی ہے جبکہ ریاست کا سارا محور مادیت ہے جس کی ضرورت مشین ہے اور انسان کو مشین کی طرز پر استعمال کرنے کا رجحان زوروں پر ہے جس سے اس مشین ناکارہ ہونے کے قوی امکانات ہیں۔ انسان بہرحال انسان ہے اُس کی جہاں جبلی و مادی صلاحتین ہیں وہاں اُس کے اندر ایک روحانی دنیا بھی آباد ہے۔ مغرب میں فی الوقت یہ عمل جاری ہے البتہ خاندان کے بکھرنے کا حساس جنم لے رہا ہے۔ اسے بہتر کیے جانے کی جدوجہد بھی جاری ہے۔ کئی دوسرے حوالوں سے عورت کی عزت وآبرو اور اُس کے مقام ومرتبے کے حوالے سے احساس بڑھا ہے۔

یورپی معاشروں میں پروان چڑھنے والے شعور واحساس کے مقابلے میں مسلم ملکوں میں یہ سہ نکاتی ایجنڈا ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ''میثاق مدینہ'' سے قبل والی حالت کو دوبارہ پہنچ گیا ہے۔ ''میثاق مدینہ'' سے تین مقاصد نے آگے راہ پائی، اثرات مرتب کیے۔ بہت سے نتائج بھی مرتب کیے ان تین مقاصد کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:۔

ا۔ انسان ہی کائناتی، دنیاوی، ریاستی، حکومتی، معاشرتی، خاندانی طور پر بنیادو اساس ہے اور بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

ب۔ ریاستی تشکیل اور حکومتی نظام میں عوامی شرکت ومشاورت پُرامن معاشرت کے لئے لازم وملزوم ہے۔

ج۔ ریاستی وحکومتی مقاصد یا معاہدہ عمرانی کا بنیادی نصب العین اُس ریاست کے اندر مقیم ہر شہری کا بلاکسی امتیاز مذہب، رنگ ونسل وزبان اور علاقہ آپس کی جان، مال اور آبرو کے تحفظ کو یقینی بنانا ہے۔

بدقسمتی سے مسلم ممالک میں ''میثاق مدینہ'' سے سفر کرنے والے یہ تینوں مقاصد اور اوصاف ناپید ہیں۔ مسلم ممالک میں انسان کی جان بہت ارزاں ہے۔ انسان کی اہمیت نہیں، جان، مال اور آبرو کے تحفظ کا شعور ہے نہ قانون اور نہ اُس پر عمل پیرا ہونے کی کوئی اُمنگ ہی باقی ہے۔ مگر زندگی تو باقی ہے۔ ہاں! زندگی تو ابھی باقی ہے۔ مسلمان کی زندگی بھی تو ابھی باقی ہے۔ یہ انسان تو ابھی باقی

Marfat.com

ہے۔ یہ ہنگامہ دنیا تو ابھی باقی ہے۔ سورج کی چمک ابھی باقی ہے۔ آسمان ابھی باقی ہے اور زمین ابھی باقی ہے۔ زمین و آسمان کے خالق کا منصوبہ ابھی باقی ہے۔ اُس کا نظام ابھی باقی ہے۔ انسان میں اس کی روح ابھی باقی ہے۔ اُس کا ''کن'' ابھی باقی ہے۔ آس ابھی باقی ہے۔ اُمید ابھی باقی ہے۔

تو اُسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی (اقبال)
زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار
تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے (اقبال)

مسلم دنیا کے انسان کے لیے! آس ابھی باقی ہے۔ اُمید ابھی باقی ہے۔ فکرِ سرکارِ مدینہ ﷺ ابھی باقی ہے۔ قرآن ابھی باقی ہے۔ باقی ہے تا قیامت باقی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کی حدیث ابھی باقی ہے۔ فقہاء کا سرمایہ علمی ابھی باقی ہے۔ مسلم تاریخ ابھی باقی ہے۔ مسلم جدوجہد ابھی باقی ہے۔ جان ابھی باقی ہے۔ جدوجہد ابھی باقی ہے۔ آس ابھی باقی ہے۔ اُمید ابھی باقی ہے۔

اکیسویں صدی کے آغاز پر مسلم دنیا میں ایک ہلچل سی مچی ہے۔ ایک کھلبلی سی سامنے ہے۔ کوئی مسلمان نہیں ہے، کوئی کافر نہیں ہے۔ سب مسلمان ہیں، سب کافر ہیں، کُفر کے فتوؤں کے نتائج کو جمع کریں تو مسلمان پیچھے صفر بچتا ہے۔ یہ اپنی نااہلیاں ہیں۔ یہ دشمن کی ریشہ دوانیاں ہیں مسلم دنیا کا ہر حکمران آمر ہے۔ فوج ہے تو اپنی، حکم وہ کسی اور کا مانتی ہے۔ آمر حکمران ہے تو اپنا مگر بات اپنے مالکوں کی مانتا ہے۔ نہیں مانتا کوئی تو اپنے عوام کی نہیں مانتا، نہیں سُنتا، نہ اہمیت دیتا ہے۔

مایوسی کی بات تو پھر بھی کوئی نہیں اور مسلمان تو سراپا جدوجہد ہے مایوس کبھی ہوتا نہیں ہے۔ جو جان دیتا ہے۔ ہنس کر دیتا ہے۔ خوش خوش دیتا ہے۔ اُسے دنیا کی کوئی طاقت مایوس کیسے کر سکتی ہے؟ اکیسویں صدی کے آغاز پر بے ہنگم سہی، جان دینے کی انوکھی کہانیاں رقم کر چکے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خونِ مسلم میں ابھی اُمنگ باقی ہے۔ جوش باقی ہے۔ ولولہ باقی ہے۔ باقی نہیں تو مرکزیت نہیں، مقاصد نہیں، نصب العین نہیں۔ موجودہ مسلم دنیا میں جاری ہنگامہ خیزی اور کُشت وخون سے بالآخر مثبت نتیجہ اُبھرنے کے امکانات ہیں۔ اس مثبت سوچ کا دائرہ ''میثاق مدینہ'' کی روح، ''جدید معاہدہ

Marfat.com

عمرانی'' کی شرائط ہوگا۔

- اُمت کی سطح پر نصب العین ''میثاق مدینہ'' کی روح اور ''جدید معاہدہ عمرانی'' کی شرائط پر پورا اُترے گا۔قومی سطح پر دستور سازی کے بنیادی مآخذ یہی ہوں گے۔
- دورِ جدید کے آزمودہ سیاسی نظام ''جمہوریت'' کو اپناتے ہوئے عوامی شرکت کو زیادہ سے زیادہ منظّم ومؤثر بنانے کی اُمنگ اُبھرے گی تاکہ عوام کا اطمینان معاشرے میں امن کا باعث بنے۔ اسی عمل سے غاصب حکمرانوں سے جان چھوٹے گی۔
- ہر جان محترم ہے۔ہر ایک کا مال دوسرے پر حرام ہے۔ہر ایک کی آبرو قابل احترام ہے۔یہ سب پُر امن معاشرے میں ممکن ہیں۔پُر امن معاشرے کا تصور یقیناً موجودہ ہنگامہ خیزی سے اُبھرے گا۔
- مسلم دنیا کی بیماری پیچیدہ ہے اُس کا علاج علماء وحکماء کے طبقہ میں سے اُبھرنے والے متکلمِ قرآن کے پاس ہے جو دنیاوی وروحانی علاج کا نسخہ تجویز کرے گا۔یقیناً موجودہ بے ہنگم اور کافرانہ فتوؤں پر مشتمل صورت حال کا نتیجہ متکلم قرآن کی صورت میں نکلے گا۔گزشتہ صدی کا ایک متکلمِ قرآن کیسے صدا دیتا ہے:۔

کھول آنکھ ، زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا کر
ایام جدائی کے ستم دیکھ ، جفا دیکھ (اقبال)

حواشی

۱۔ سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن میں یثرب کی بستی کی ابتداء ۱۴۰۰ قبل مسیح (اندازاً) کرتے ہیں۔

۲۔ یہود کی مذہبی صورت واضح ہے۔اوس وخزرج اور باقی کے متعلق مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے بت پرست لکھا ہے۔بت پرستی کسی مذہب کی پیروی میں ہوتی ہے۔اس پر سیرت نگار خاموش ہیں۔بُت تو کعبہ میں بھی رکھ لیے گئے تھے۔مکہ میں یہودی بھی تھے اور عیسائی بھی مگر زیادہ تر کا دعویٰ دینِ ابراہیمی کا تھا بظاہر جہاں بتوں کی گنجائش نظر نہیں آتی یہ لوگ بہت پہلے یمن سے یثرب میں کسی سیلاب کے نتیجے میں آئے۔بعض مؤرخوں نے پہلے آباد کار کو حضرت نوحؑ کی ساتویں پشت سے قرار دیا ہے۔بعض نے انہیں اسماعیلی عرب بھی قرار دیا ہے۔

Marfat.com

۳۔ ''مدینہ'' کا معنی بھی بستی ہی ہے۔تاریخی لحاظ سے اس بستی یا شہر کا تیسرا نام ہے۔ پہلا نام ''سلع'' یا ''صلع'' تھا۔ توریت میں اس جگہ کے لیے یہی نام استعمال ہوا ہے۔ دوسرا نام ''یثرب'' پڑا اور تیسرا نام ''مدینہ'' پڑا اور منشا خداوندی دیکھو کہ یہی نام امر ہو گیا۔ عقیدتوں کا مرکز بن جانا امر ہو جانا اور ہمیش ہو جانا اس زمین کو نصیب تھا۔ اسی واسطے راقم الحروف نے اسے ''کائناتی'' ہجرت قرار دیا ہے۔

۴۔ یہاں سے آگے ''یثرب'' اب ''مدینہ'' کہلائے گا۔

۵۔ ''جوف مدینہ'' کی حدود کے حوالے سے طے نہیں ہے۔ البتہ بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق جبل عیر سے جبل ثور کا درمیانی علاقہ تھا جو کوئی ۱۲ مربع میل اندازاً ہے۔ دوسرا یہ کہ حرم کا اعلان تو ابتداء میں ہی کر دیا گیا تھا البتہ ۳ھ میں ''میثاق مدینہ'' میں بھی اس کو شامل کیا گیا تھا۔

۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ ''سیاسی وثیقہ جات'' ترجمہ مجلس ترقی ادب، ۲ کلب روڈ، لاہور، ۱۹۶۰ء طبع اوّل ص ۱۹۔ اس ترجمہ میں بعض الفاظ کے ترجمہ میں تضاد اُبھرتا ہے۔ یہود، نصاریٰ، غیر مسلم اور کافر کے الفاظ الگ مضمون میں ہیں۔

۷۔ ہماری روایتی چھوٹی اور تنگ نظری کی سوچ نے ہر موڑ پر سیرت نبوی ﷺ کی آفاقی سوچ اور اصولوں کو محض مسلمانوں تک محدود کیا گویا نبوت کا روئے سخن محض مسلمان ہی تھے، انسان نہ تھا۔ ''میثاق مدینہ'' کا معاہدہ چھ فریقوں کے درمیان تھا اور آج کے معاہدہ جات بھی مختلف فریقوں کے درمیان ہوتے ہیں ہمارے بعض لکھنے والوں نے اسے قریش مسلمان اور مسلمان انصار کے درمیان قرار دے کر اس کی اہمیت کو محدود کرنے کی کوشش کی ہے۔ قریش مسلمان اور مسلمان انصار کے درمیان الگ سے ''مواخات'' کا اصول دیا گیا تھا۔ ''میثاق مدینہ'' کی نوعیت بین الاقوامی اور بین المذاہب کی تھی۔ ہم نے محض ''بین الاسلامی'' قرار دے کر اس کی اہمیت کم کی ہے۔ غور و فکر کی ضرورت باقی ہے۔

۸۔ روایت کے مطابق وحی سے قبل آپ ﷺ ضرورت کے مطابق ''توریت'' کی رو سے فیصلہ کرتے تھے جبکہ عیسائیوں نے آپ ﷺ کے ساتھ تعاون کیا اور آپ ﷺ نے اُن کو امان لکھ دی۔ سیاسی ثیقہ جات، ص ۱۰۸

❖ ❀ ❀ ❀ ❖

Marfat.com

5

نبوتِ محمد ﷺ ___ مقصدیت کے نصب العینی وعصری تعینات

میں ہوں کون؟ میں آیا کدھر سے؟ یہ جہاں ہے کیا چیز؟ میں آیا یہاں کیوں؟ مجھے کرنا یہاں کیا ہے؟ مجھے موت کیوں آجاتی ہے؟ مجھے زندگی کس نے دی؟ مجھے موت کون دیتا ہے؟ یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ انسان کے سوالات ہیں۔ اُس کے ذہن سے اُٹھنے والے سوالات ہیں۔ عنوان کی مناسبت سے اسے ایک جُملے میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:۔

”ہر انسان پوچھتا ہے کہ وہ مقصد کون سا ہے جسے میں نصب العین قرار دے کر اُس کے لیے چاق وچوبند اور فعال ہو جاؤں۔“

ان سوالوں کا پیچھا کرتے کرتے انسان آج ایسویں صدی میں داخل ہو گیا ہے۔ بہت سے انسانوں نے اپنے اپنے وقت کی شعوری مناسبت سے مقصد کو جانا بھی اور اُسے اپنی زندگی میں نصب العین بنایا بھی بہت کچھ پایا بھی مگر سب کچھ پا نہ سکا اور پانے کی مزید آرزو کو اگلے انسان کے لیے چھوڑ جانے کی ٹوٹ روایت چھوڑی۔ صدیاں بیت گئیں۔ انسان آرہا ہے مگر معین مدت کے بعد کہیں جا رہا ہے۔ انسانوں نے بہت کچھ پایا مگر اگلی نسل کے نزدیک انہوں نے کچھ نہ پایا۔ اس کے ساتھ ہی مقصدیت، آرزو اور

Marfat.com

جستجو کے نئے میدان سج جاتے ہیں یہ سلسلہ ہے جو پہلے انسان سے چلا اور چل رہا ہے۔ کوئی قصد تھا جسے ہر انسان نے نصب العین بنایا اور حیاتِ مستعار کو جدوجہد پر لگائے رکھا اور انسانیت اکیسویں صدی میں داخل ہوگئی۔

ایسے ہی نبوت ایک سلسلہ تھا جو پہلے انسان اور پہلے نبیؑ سے شروع ہوا۔ نبوت انسان کو مقصد بتاتی اور اُسے نصب العین اختیار کرنے کی ترغیب دیتی رہی۔ جس دور میں انسان کی جتنی دماغی اور تمدنی طاقت تھی، نبوت اپنا پیغام دیتی رہی۔ اس پیغام کی تکمیل، کامل نبوت، نبوت محمد ﷺ کے واسطے سے ہوئی۔ محمد مصطفےٰ ﷺ نے ان تمام سوالات کے جوابات بہت واضح، کھلے اور یقینی انداز میں فراہم کیے۔ قرآن حکیم آپ ﷺ کی وساطت سے ہی انسانیت کا دستور بنا۔

نبوت محمد ﷺ کے ذریعے تمام سوالات کے جواب میسّر آ گئے مگر مقصدیت کی تکمیل پھر بھی نہ ہوئی۔ کائنات کا رزم و بزم رُکا نہیں۔ انسان آ رہا ہے اور جا رہا ہے۔ بعض انسانوں کو مقصدیت کا اطمینان بھی ہوا اور اُسے انہوں نے نصب العین بھی بنایا مگر سب اسے نہ سمجھ سکے اور جو سمجھ گئے اُن کے لیے بھی اور سوالات اُبھر آئے۔

- نبوت محمد ﷺ نے سب سوالوں کے جواب دے کر انسان کے مقصدی جذبے کو دلیل و تصدیق اور عقلی یقین کے نصب العین سے باندھ کر باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی اُمنگ دے دی۔

تتدبرون، تفکرون اور تعمَلون دراصل جدوجہد جاری رکھنے کا حکم تھا اور انسان اس تابعداری میں جدوجہد کرتا اکیسویں صدی میں داخل ہوا جس کے ساتھ گزشتہ چند صدیوں کا تدبر، تفکر اور دانش بھی نئے انداز میں داخل ہوئی۔ انسان اب سوالوں کا جواب تلاش کرنے کے درجہ سے اوپر چلا گیا ہے۔ کیوں کہ تمام سولات کے ممکنہ اور درست جوابات خاتم النبین ﷺ نے اسوہ حسنہ، حدیث پاک اور قرآن حکیم کے ذریعے فراہم کر دیئے۔ انسان نے ان جوابات کو تسلیم بھی کر لیا ہے یہی وجہ ہے کہ نبوت کی ضرورت اُٹھالی گئی البتہ زندگی اگلی منزل پر پہنچی تو انسان کے سامنے زندگی کے نئے چیلنجز تھے۔ اب مسئلہ یہ نہیں رہا تھا کہ خدا ہے یا کوئی اور طاقت ہے۔ اب معاملہ خدا اور اُس کی طاقت ''کن'' کی دریافت اور

Marfat.com

عمل کا تھا۔ خدا ہی اوّل و آخر ہے مگر انسان اس کے پورے عمل کی تصدیق و یقین کا خواہاں ہے۔ انبیاء پہلے بھی آتے رہے بلکہ کوئی قوم نبی سے خالی نہ گزری۔ انسان تسلسلِ انبیاء اور خاتم النبین ﷺ کے فریضہ نبوت اور کارِ نبوت کو حواس و عقل اور دلیل و تصدیق سے جاننا چاہتا ہے۔ کائنات کی تشکیل، اُس کے محرکات، کائنات میں موجود ہر شئے کی تہہ تک جانے اور جاننے کا جذبہ محرکہ انسان کا نصب العین بن چُکا ہے۔

نصب العین کے بنیادی مآخذ:

انسان اپنے مقاصد کا تعین کیسے کرتا ہے؟ مقاصد کے تعین کے بعد اُنہیں نصب العین قرار دے کر ساری زندگی تگ و دو کیونکر کرتا ہے؟ حالانکہ بظاہر فطرتِ انسانی میں مقصد ودیعت شدہ ہے اور انبیاء لگاتار اُسے اُجاگر کرتے رہے۔ دراصل فطرتِ انسانی میں پنہاں مقصد کو عضوی عمل سے تصدیق و یقین درکار ہے۔ پہلے وہ دیوتاؤں اور بعض کئی دوسرے عوامل کو خدا بنا لیتا تھا اور بطور عقیدہ یقین کر لیتا تھا۔ اب انسان کی کیفیت بدل گئی ہے۔ اب وہ کائنات کی کُنہ تک جانے کے لیے اپنے عضوی طاقت و فعالیت پر بھروسہ کیے ہوئے ہے تا کہ وہ خود تصدیق و یقین پا سکے۔ اس ضمن میں دو مآخذ زیر بحث آئیں گے لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان دو مآخذ کی بنیاد پر اپنے مقصد کی جانچ پرکھ کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ اُس نے فطرتِ انسانی کے مقصد سے بغاوت اختیار کر لی ہے یا اپنے مذاہب کے معتقدات کو وہ جھٹلانے پر آ گیا ہے۔ چونکہ یہ ممکن نہیں، فطرت سے فرار کا کوئی راستہ نہیں اور اُسی کی بنیاد پر انبیاء کی راہنمائی کو جھٹلانے کے باوجود جھٹلایا جانا ممکن نہیں ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ بظاہر انسان پر انفرادی یا کبھی اجتماعی طور پر عضوی فعلیت میں اتنا محو ہو جائے اور اُسی دنیا کی حالت و کیفیت کو اپنے آپ پر طاری کر لے کہ بظاہر سمجھا جائے کہ انسان بہک گیا ہے یا بغاوت پر اُتر آیا ہے۔ ایسا ہوتا نہیں، بہک جانے کا تصوّر اُبھر آنے کا واضح پیغام یہ ہوتا ہے کہ وہ درست مقصد کے قریب ہے۔ اسی طرح بغاوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مقصدی اطمینان کے قریب ہے۔ اس لئے بنیادی مآخذ کو زیر بحث لا کر ہم مقصدیت کے نصب العینی تعینات کو یوں بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اکیسویں صدی میں انسان کی عضوی و تمدنی تگ و دو بہر طور صدیوں کی جدوجہد کا تسلسل ہے:۔

Marfat.com

مآخذ اوّل: انسانی دماغی فعلیت کا حاصل جدید علم،

مآخذ دوم: تمدنی ارتقاء سے حاصل علم

مآخذ اوّل: انسان کا ایک مؤثر عضو دماغ ہے۔ دماغی فعالیت کے تمام مظاہر اور تغیر پذیر کیفیات انسان کی نفسیاتی زندگی کے زمرے میں آتی ہیں۔ انسان کی دماغی قوت کی فعالیت میں دماغ اور اس کے جسم کے علاوہ کئی دوسرے عوامل شامل ہوتے ہیں۔ قدیم حکماء اور جدید سائنس دانوں کے نزدیک کم وبیش چار بنیادی مظاہر ایسے ہیں جو انسانی دماغ کی فعلی مشق سے سامنے آتے ہیں جب کہ باقی مظاہر انہی سے پیدا ہوتے ہیں اور جب ذہنی عمل کا تجزیہ کرتے ہیں تو تین پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ یعنی وقوف (Cognition) تاثر (احساس) Allocation اور طلب (Conation) ہیں۔ سٹاوٹ ان تین کو بھی دو حصوں وقوف اور دلچسپی تک محدود کرتا ہے۔ وہ وقوف میں تصدیق اور سادہ فہم کی تقسیم کرتا ہے جب کہ طلب اور احساس کو دلچسپی کے زمرے میں لاتا ہے۔ (۱) جبکہ چار بنیادی مظاہر کو ڈاکٹر لیبان ''روح الاجتماع'' میں یوں بیان کرتا ہے۔

۱۔ احساس/خواہش

۲۔ خیالات/تصورات

۳۔ جذبات/عواطف

۴۔ ارادہ/اختیار

دماغ کی یہ فعلیتیں یا حرکتیں مخصوص عوامل کی محتاج ہوتی ہیں مثلاً:۔

۱۔ مخصوص ماحول

۲۔ مخصوص علتیں

۳۔ خارجی ماحول

۴۔ بیرونی ترغیبات

۵۔ اعصابِ حس پر اثر اندازی

Marfat.com

ان عوامل کی بنیاد پر انسانی دماغ میں احساس، تصّورات، جذبات اور ارادہ جنم لیتے ہیں لیکن یہ مسلسل تغیر پذیر انسانی کوائف ہیں جو انسانی ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اُبھرتے ہیں اور مٹ بھی جاتے ہیں۔ بعض ارادہ سے عمل کی طرف نکل جاتے ہیں جو انسان کی وقوفی کیفیت اور شعوری حالت کا باعث بنتے ہیں۔ وقوفی اور شعوری حالت کا معیار و میزان بھی اعصاب حس، بیرونی ترغیبات، خارجی ماحول، مخصوص علتیں اور مخصوص ماحول ہی ٹھہرتا ہے۔

مقصدی ونصب العینی ماخذ کا یہ پہلا اور ابتدائی درجہ ہے۔ حکماء قدیم علم النفس کے تحت اسے بیان کرتے آرہے ہیں۔ علم جدید نے اِسے سائنسی تجربات و مشاہدات سے گزار کر اس کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے۔ استدلال اور تصدیق کو نئی جہت دی۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چند صدیوں میں وسیع تر مقصد کے باوجود نصب العینی جدوجہد جزوی ہوگئی تھی۔ کائنات کی خارجی ہیت کی چھان پھٹک اور تسخیر انسان کا مقصد ٹھہرا جب کہ کائنات کی باطنی کیفیت پر توجہ کم ہوئی۔ لیکن جلد ہی انسان نے اس نظر انداز پہلو کو محسوس بھی کر لیا۔ سائنس نے علم نفسیات کے بارے میں اپنے تجربات و مشاہدات کو آگے بڑھایا تو معلوم ہوا کہ عقائد کا تعین بھی انسانی دماغ کی راہ گزر سے وابستہ ہے۔ عمل کے لیے ارادہ و جذبہ بھی دماغی فعلیت ہے۔ گویا زندگی کے قصدی تعینات میں دماغی فعلیت ایک لازمی عنصر کا درجہ رکھتا ہے۔ انسانی دماغ کس طرح کام کرتا ہے اور تعینات کے فیصلوں تک کیسے پہنچتا ہے۔ علم النفس کو جدید علم سائنس نے مزید دلائل دے کر تصدیق و یقین کی نئی راہیں کھول دی ہیں اسے نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے بظاہر سیرت النبی ﷺ کے ذیل میں یہ موضوع اضافی لگتا ہے لیکن سیرت رسول ﷺ کو اکیسویں صدی کے مسلمان اور سائنسی ذہن کے عمومی انسان کے سامنے باور کرانے کے لیے ہمیں ان موضوعات کو سیرت رسول ﷺ کے ذیل میں اس لیے بیان کرنا چاہیے تا کہ ہم ثابت کرسکیں کہ انسان جو آج کامیابیاں حاصل کر رہا ہے اس کی جڑیں ماضی میں ہیں اور حال کے نتائج کو مستقبل کے خاکے میں بھرنے کے اصول بھی سیرت رسول ﷺ میں موجود ہیں:۔

۱۔ احساس و خواہش:

حِس اور تاثر مل کر احساس جنم دیتے ہیں۔ حس آغاز کرتی ہے۔ معروض کا علم پاتی ہے۔ اُسے

Marfat.com

ذہن میں منتقل کرتی ہے۔حس ایک سے زائد ہیں۔ ہر حس کا الگ تاثر خوشگوار یا ناخوشگوار ذہن تک جاتا ہے۔اب جا کر احساس پیدا ہوتا ہے۔احساس کا تعلق ذات سے ہے اور اس میں ماحول اور مزاج کی تبدیلی سے تغیر بھی پیدا ہوتا ہے۔جیمس وارڈ نے بین کے حوالے سے ایک تعریف نقل کی ہے جس سے وہ خود پوری طرح مطمئن نہیں ہے اور تفصیلی بحث کی ہے۔ ہمارا بیان مقصد محض ''احساس'' کے تصور کی وضاحت ہے:

> ''حقیقی معنوں میں احساسات سے ہماری مراد ذہنی ارتسامات، حیات یا احوال شعور ہیں جو جسم کے کسی حصہ پر خارجی اشیاء کے عمل کے بعد یا بقول جیمس وارڈ ''خارجی اشیاء کی وجہ سے'' ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے اس حصہ جسم کو ذی حس کہا جاتا ہے۔'' (۲)

جیمس وارڈ نے بصری سمعی وغیرہ سے الگ حسی عمل پر بھی لکھا ہے۔ جی۔ایف، اسٹاوٹ نے حسوں پر تفصیلی بحث کی ہے۔(۳) برٹرینڈ رسل نے خواہش اور احساس کو ایک ساتھ لیا ہے۔(۴)

خیالات وتصّورات:

جی۔ایف اسٹاوٹ ''تصور'' کی تعریف یوں کرتا ہے:

> ''تصور بامعنی ذہنی تمثال (Image) ہوتا ہے۔اس طرح اس کے دو جز ہوتے ہیں المثال اور اُس کے معنی تمثال ایسا احضار ہوتا ہے جو حقیقی حسی تجربہ کے مشابہ معلوم ہوتا ہے مگر ایسے ہوتا نہیں۔جن عناصر پر یہ مشتمل ہوتی ہے وہ کیفیت کے اعتبار سے حقیقی حسوں کے مشابہ ہوتے ہیں اور اُن کی زمانی اور مکانی تقسیم ادراک کے حسی مافیہ کی تقسیم کے مشابہ ہوتی ہے۔''(۵)

تصّورات وخیالات کے بابت یہ مانا جاتا ہے بلکہ یونانی فلاسفہ کے دور سے مانا جاتا ہے کہ ذہن انسانی مجرد تصورات وضع کرنے اور غیر حسی خیالات یا فکر کو بروئے کار لانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ انسان کی یہی صلاحیت وہ اعلیٰ شرف ہے جو اُسے حیوان یا دوسرے جانداروں سے ممتاز کرتا ہے۔ یاد رہے حسی نظام حیوان میں بھی پایا جاتا ہے۔ برٹرینڈ رسل کے مطابق برکلے اور ہیوم نے مجرد تصورات کے مفروضے کو ردّ کرنے کی بھرپور کوشش کی اور زیادہ سے زیادہ کسی تمثالیچہ کو تسلیم کیا۔نفسیات کو مادی سائنس کے زمرے میں لانے والے اُس دور کے یورپی سائنس دان اور مفکر کسی تصوری یا تمثالچی انداز کو رد کرنے پر کمر بستہ تھے اور اسی بنا پر علمی خلا چھوڑ دیتے تھے۔ برٹرینڈ رسل نے بھی اُس عمومی بحث کو تسلیم

Marfat.com

نہیں کیا اور کہا کہ:۔

''میرا دعویٰ ہے کہ قریب قریب اصولی اعتبار سے ہر چیز کے متعلق صاف صاف سوچا جا سکتا ہے یعنی حسی پیش کش کی کسی معاونت کے بغیر ہی بلا واسطہ طور پر ہر چیز کا صاف صاف مفہوم لیا جا سکتا ہے۔''(۶)

مزید لکھا:

''اس حقیقت کے باوجود کہ تمثالچوں (Images) کے حق میں شواہد چاہے وہ عمومی تمثالچے (Generic) ہوں یا جزئی تمثالچے (Particular Images) محض باطنی ہیں، میں یہ نہیں مان سکتا کہ تمثالچوں کو رد کر دینا چاہیے یا یہ کہ جو چیز وقت یا جگہ کے اعتبار سے دور ہے اس کے علم کے تجسس میں، ہمیں تمثالچوں کی کارکردگی کو گھٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔''(۷)

یہ علمی و تجربی بحث انسانی صلاحیت ذہنی یا دماغی کو متعین کرتی ہے کہ:۔

۔ایک دماغی یا ذہنی فعلیت، حسی عمل کے ذریعے کام کرتی ہے۔

۔دوسری فعلیت، حسی عمل کے بغیر کام کرتی ہے۔

حسی عمل کے بغیر ذہنی فعلیت ایک تاریخی حقیقت ہے جب کی حسی فعلیت بھی انسان سے کبھی جدا نہیں ہوئی مگر حسی فعلیت کی باقاعدہ سائنسی توجیہ ان صدیوں میں آ کر ہوئی جو انسانی شعور کی ترقی کا ثبوت ہے کہ اب عقیدہ کی سائنسی تصدیق انسان کے مقصدی نصب العین کا حصہ بن چکا ہے۔

۳۔جذبات / عواطف:

ہیجان و عواطف دراصل جذبات کا سبب بنتے ہیں۔ جب ہیجان ایک باقاعدہ صورت میں منظّم ہو جاتا ہے اور کسی شئے یا معروض پر مرکوز ہو جاتا ہے تب جذبے کی تشکیل ہوتی ہے۔ ذہنی ارتقاء میں تجربات، جذبات کی تنظیم کرتے ہیں۔ ہیجان ذہن کی ایک عارضی حالت ہے جب کہ جذبہ اس کی نسبت مستقل حالت ہے۔

ہیجان کو شدید اضطراری حالت کہتے ہیں۔ اکثر اوقات فرد اس میں وقتی طور پر سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت میں کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ احساس کی گویا پیچیدہ اور شدید صورت ہے۔ اس کے تین نمایاں پہلو ہیں۔(۸) جسمانی مظاہر، عضویاتی تغیرات اور نفسیاتی تغیر۔ دوسری طرف جی۔ ایف۔ اسٹاوٹ کے

Marfat.com

مطابق عواطف رجحانات ہوتے ہیں۔ حقیقی احساسات نہیں ہوتے جبکہ جذبات کو حقیقی طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔ طلب لذت اور الم میں حقیقتاً محسوس ہوتے ہیں۔(۸)

میکڈوگل نے ''جذبہ'' کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اُس کے مطابق اوّل جذبی تجربہ کی ہر قسم کے ساتھ بالعموم جسمانی تغیرات بھی ہوتے ہیں جو مظاہر جذبہ کہلاتے ہیں اور دوم یہ کہ عضویے کی ہر جذبی تحریک، جذبی کیفیت اور اسکے جسمانی مظاہر اور قابلِ تمیز جزو بھی شامل ہوتا ہے یعنی مجموعی تجربہ کی طلبی جزو سے ہے۔ جذبی کیفیت میں خوف واستعجاب شامل ہوتا ہے جو داخلی یا موضوعی ہوتا ہے۔ چونکہ وہ شئے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ تجربہ کی طلبی جستجو میں ذہنی فعلیت کا اور تمام کردار اپنے آپ کو ایک غایت کے مستقل جدوجہد کی صورت میں ظاہر کرتی ہے۔(۹)

جمیس ولینگ نے لکھا ہے کہ:

''جذبات جوہراً احساسات کے ساتھ متحد الماہیت ہیں یہ کہ ''جذبہ'' بحیثیت محسوس یا بحیثیت جذبی، اس احساسی تجربہ کا ایک بے ترتیب سا مجموعہ یا حرکت ہے جو اُن احساسی ارتسامات کا نتیجہ ہوتے ہیں جو جسم کے مختلف حصوں میں واقع ہونے والے اعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہیجان وعواطف، احساسات وجذبات دراصل انسان کی ذہنی فعلیت کے عکاس ہیں۔ انسان جب مقصد کو جان لیتا ہے اور پھر اپنے آپ کو اُس کے حصول کے لیے تیار کرتا ہے تو یہ ذہنی فعلیتیں اُس مقصد کی مناسبت سے پیدا ہوتی ہیں۔

سیرت النبی ﷺ ایک مقصد کا تعین کرتی ہے اور اُسے نصب العین بنانے پر راہِ عمل دیتی ہے۔ یہ مقصدی نصب العین بظاہر موضوعی ہے، جذبات واحساسات بھی موضوعی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی سیرت آپ ﷺ کا مقصد ہے کہ انسان پہلے اپنا مقصد سیدھا کرلے۔ یہ طے کرلے کہ اُس کا آخری ہدف ونصب العین کیا ہے؟ پھر وہ معروضی دنیا میں داخل ہوجائے۔ دنیا کی راہ پر آگے بڑھ جائے، جدوجہد کرے، تجربات ومشاہدات سے اپنی منزل پر درجہ بدرجہ آگے بڑھتا رہے یہ تجربات ومشاہدات انسان اپنے احساسات، اپنے جذبوں اور اپنے عقائد کی تشفی وتصدیق کے لیے کرنے کا حق رکھتا ہے اور اسی راہ کی نشاندہی دراصل انبیاء ورُسل کا فریضہ رہا ہے۔

Marfat.com

۴۔ ارادہ واختیار:

ارادہ (Volition) اپنے پُرزور معنی میں اختیاری حرکت سے زیادہ ہوتا ہے۔ کسی صورت حال پر غور کے بعد فیصلہ ہے۔ اختیاری حرکات اس فیصلہ کی جزو ہیں، کل نہیں ہیں۔(۱۱) لفظ ارادہ بعض اوقات وسیع معنوں اور بعض اوقات محدود معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عامل معین کی حیثیت سے شعور ذات کی مداخلت دراصل ارادی فیصلے کو واضح کرتی ہے۔(۱۲) اختیار کا مطلب بھی خود فیصلہ کرنے کی قوت کا حاصل ہو جانا ہے۔ اختیار دو راہوں میں سے انتخاب کا فیصلہ ہے۔ ارادہ واختیار کے فیصلوں کو ولیم جمیس پانچ اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔

پہلی قسم جس میں کسی امر کے متعلق موافق اور مخالف دلائل کا رفتہ رفتہ ذہن میں غیر محسوس طور پر تصفیہ ہو جاتا ہے اور آخر میں ایک صورت قوی معلوم ہوتی ہے اور ہم اس کو بغیر کسی چیز کے اختیار کر لیتے ہیں لیکن اس کی تصدیق کے منتظر رہتے ہیں اور بعد از تصدیق اس کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔

دوسری قسم میں ذہن کو ایک موہوم سی تسلیم کے ساتھ کسی جہت میں آزاد چھوڑ دیتے ہیں جو اتفاقاً خارج سے متعین ہو جاتی ہے اور اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ ہم دونوں راہوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتے ہیں۔ تیسری قسم میں بھی فیصلہ اتفاقاً ہو جاتا ہے مگر یہ کسی داخلی واقعہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ چوتھی قسم میں داخلی محرکات اچانک ایک فیصلے پر پہنچا دیتے ہیں۔ اس کے ذیل میں قلبی تغیرات اور ضمیر کی بیداریاں آجاتی ہیں جو ہماری سیرت کو بدل دیتی ہیں۔ پانچویں قسم میں ارادے واختیار میں عقل و استدلال کے ساتھ مابعد الطبیعیاتی نقطہ قوت کا ابھار بھی شامل ہو جاتا ہے۔(۱۳) سٹاوٹ کا خیال ہے کہ یہاں ہم نفسیات وانسان کے ذہنی فعلیت کے عمل کی سائنسی تلاش سے آگے، اخلاقیات، مابعد الطبعیات اور الٰہیات میں داخل ہو جاتے ہیں۔ بہر حال جو شخص غور وفکر کر کے اس امر کا تصفیہ کرتا ہے کہ دو ممکن راہوں سے اُسے کونسی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ نقطہ اختیار ہی اختیار کرنا پڑے گا۔ اسی موقع پر وہ ''جبر اور قدر'' کی بحث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔(۱۴)

اقتصادی صورت:

گزشتہ سطور میں انسانی دماغ کے متعلق نفسیاتی سطح کے علم جدید جس میں طبی وسائنسی تجربات

Marfat.com

بھی شامل ہیں، کے متعلق مختصراً ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ میرا مقصد انسان کے نصب العینی تعینات کے محرکات وتصدیقات کا جائزہ لینا ہے۔ دلچسپ صورت حال یہ ہے کہ نفسیات ہو یا کوئی دوسری سائنسی صنف سب ہی کی آخری کمان ''اعتقاد'' پر ٹوٹتی ہے۔ اعتقاد کیا ہے؟ اور اس کا تعین کیسے ہوتا ہے؟ علم جدید کا اعتقاد وسیع معنوں میں بھی ہے اور محدود معنوں میں بھی۔ سائنس چونکہ جزوی پیش رفت کرتی ہے اس لیے اعتقاد کا آغاز بھی جزوی ومحدود ہوگا۔ مذہب کا دعویٰ چونکہ کلی اور یقینی ہوتا ہے۔ اس لیے مذہب کا مطالبہ محض کلی ویقینی اعتقاد کا ہے۔ دلیل وتصدیق انسان کی ضرورت ہے اس لیے وہ جستجو اور تلاش کا مسافر ہے۔

اعتقاد، جبر وقدر، تصدیق اور یقین علم جدید ونفسیات کا موضوع بھی ہے۔ مقصدیت کے نصب العینی تعینات کے ضمن میں دوسرے مآخذ کی تفصیلات اور پھر نبوت محمد ﷺ کے تعینات پر بات آگے آئے گی۔ فی الحال نفسیات میں موجودہ سائنسی تحقیق کے تحت اعتقاد، یقین، ایمان اور تصدیق پر بات ضروری معلوم ہوتی ہے۔ جیمس وارڈ نے اعتقاد (Belief)، یقین (Certainty) اور ایمان (Faith) پر خوب بات کی ہے۔ اُس کے نزدیک اعتقاد کبھی وسیع معنوں میں اور کبھی محدود معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وسیع معنوں میں یقین شامل ہوتا ہے اور محدود معنوں میں شامل نہیں ہوتا۔ وسیع معنی نفسیات کے تحت آتے ہیں اور محدود معنی علمیات کے تحت کیونکہ علمیات میں یقین اور علم میں فرق رہتا ہے۔ یقین ایک داخلی وذاتی واردات ہے جب کہ علم میں ایسا نہیں ہے۔ علم میں یقین کی جستجو رہتی ہے۔ دوسری بات یقین، اعتقاد یا علم کی اوپر کی حد ہوتی ہے۔ (۱۵)

دوسری طرف اعتقاد کی بے شمار مثالوں میں صرف موضوعی یعنی غیر تجربی عناصر شامل ہوتے ہیں جب کہ علم تجربات ومشاہدات کو بنیاد بناتا ہے یعنی معروضی عناصر اس میں شامل ہوتے ہیں۔ ایسا بھی نہیں کہ موضوعی عناصر میں معروضی عناصر کا دخل بالکل نہ ہو۔

جہاں تک ایمان کا تعلق ہے، اعتقاد کے قریب قریب ہی اس کا مفہوم ہے۔ ایمان وعقیدہ کو ہم معنی بھی تصور کیا جاتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے معنی میں فرق ہے۔ جب اعتقاد اور ایمان میں بات آتی ہے تو پھر اعتقاد کے لیے معروضی موقع ومحل ہوتا ہے اور ایمان کے لیے موضوعی۔ دوسری طرف مذہبی

Marfat.com

اعتقاد کے متعلق یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے معروضات کو پیدا کرتا ہے۔ اس بات کو تجربے کے نظری اور عملی پہلو کہہ سکتے ہیں۔ نظری طور پر ایمان، اعتقاد باللہ اور اس اعتقاد کے تمام لوازمات ہوتے ہیں اور یقینی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ سب اخلاقی طور پر ہوتا ہے۔ جو چیز کہ موجود ہو سکتی ہے، اس کو اپنا نقطہ آغاز بنا کر مذہبی ایمان دعویٰ کرتا ہے کہ وہ یہاں موجود ہے کیونکہ اس کو موجود ہونا چاہیے۔ یہ معروضی موقع و محل نہیں بلکہ یہ اس موقع و محل کی طرف ایک خاص موضوعی رویہ ہے۔ بقول کانٹ ایک مافوق نصب العین میں مذہب ایمان کو پیدا کرتا ہے اور یہی ایک مذہبی شخص کو اس کی اخلاقی غایات کے تحقق کا یقین دلاتا ہے۔ مذہبی ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر اعتقاد سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس سے عقائد پیدا ہوتے ہیں۔ اعتقاد و علم ایمان کا سرچشمہ نہیں بلکہ حاصل ہیں۔ جیمس وارڈ بین کے حوالے سے لکھتا ہے کہ اعتقاد میں سب سے بڑی چیز ہماری ابتدائی تصدیق ہے۔ شروع میں ہر چیز پر یقین کر لیتے ہیں اور جب تک کامیاب رہتے ہیں، صدق و کذب کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے۔(۱۶)

برٹرینڈ رسل کے نزدیک بھی ہماری ذہنی کارگزاریوں میں سے اعتقاد رکھنے کا معاملہ انتہائی ذہنی معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جو کارگزاریاں مادی حیثیت رکھتی ہیں، یہ معاملہ ان سے بہت ہی زیادہ دور کی بات نظر آتی ہے۔ انسان کی تمام عقلی زندگی اعتقادات پر مشتمل ہے۔ یہ استدلال ہی ہے جس کے ذریعے ہم ایک اعتقاد سے دوسرے اعتقاد تک جا پہنچتے ہیں۔ کیا علم اور کیا جہالت، کیا صدق و کذب، کیا نفسیات، کیا نظریہ علم اور کیا مابعد الطبیعات سب کے سب اعتقادات کے گرد چکر کاٹتے رہتے ہیں۔(۱۷)

برٹرینڈ رسل نے اعتقاد کے حوالے سے ایک خاص بات کی کہ اعتقاد کم از کم تین قسم کے ہیں یعنی حافظہ، توقع اور اقرار محض، ان میں سے ہر ایک بعض قسم کے احساس یا حسوں سے بنتا ہے جو احساس یا حس اعتقادی مسئلہ سے متعلق ہوتے ہیں۔(۱۸)

ولیم میگڈوگل نے یقین، شبہ اور تصدیق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ادراک اطلاع یا گزشتہ ثابت شدہ یقینات کی بنا پر استدلال سے تمام یقینیات قائم ہوتے ہیں اور تمام تصدیقات معین ہوتی ہیں اور یہ سب کے سب وقوفی اعمال ہیں یہی وجہ ہے کہ ماہر نفسیات نے یقین کو خالصتاً عقلی صورت میں بیان کیا ہے۔ عوام نے اسے قبول بھی کیا ہے۔ البتہ یہ درست ہے کہ ہر ایک میں طلبی عنصر اہمیت رکھتا

Marfat.com

ہے۔تصدیق محض وقوفی نہیں ہوتی ،اس میں وقوف اور طلب کا تال میل ہوتا ہے۔(۱۹)

مآخذ دوم: تمدنی ارتقاء سے حاصل علم:

خاتم النبین ﷺ کے بعد فریضہ نبوت انسان کیسے سرانجام دیتا ہے؟ (۲۰) باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی جدوجہد میں اُس کا طریق کار کیا ہے؟ دماغ وہ آلہ انسان ہے جس کے اندر حیران کُن حد تک باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔سوال یہ ہے کہ دماغ کی اندرونی فعالیت کا میدان کونسا ہے۔دراصل یہ میدان ہی وہ کارِ نبوت بھی ہے جہاں معرکہ آرائی ہوتی آئی ہے۔محمد مصطفےٰ ﷺ کے بعد کارِ نبوت ختم کر کے فریضہ نبوت انسان کے سپرد کر دیا گیا ہے۔اس تمہید کے بعد ان مآخذ کا جائزہ مقصود ہے جن سے انسان دماغ، حِس ، عقل اور وجدان کے ذریعے زندگی کی مقصدیت کو پاتا ہے اور اُسے نصب العینی رُتبہ دے کر متاعِ حیات قرار دیتا ہے۔اُسے پانے کی اپنی صلاحیت کے مطابق جستجو کرتا ہے۔شخصی حیات جو کچھ پاتی ہے وہ اجتماعی حیات کا زینہ اور خزانہ بن جاتا ہے۔صدیوں کی یہ انسانی سعی اکیسویں صدی میں داخل ہوگئی ہے۔صدیوں کے تمدنی سفر کی کہانی کو علم کے چند عنوانات کے تحت بیان کرنا مقصود ہے۔ ہر عنوان کے مباحث ونتائج کو علمیات کا موضوع بولا جاتا ہے اور یہ تمام عنوانات مل کر بھی علمیات کے تحت بولے جاتے ہیں۔

ا۔ مذاہب

ب۔کائنات

ج۔عقل

د۔ حواس

ح۔ تاریخ

ط۔ فوری حادثات وواقعات

ا۔ مذاہب:

مقصدی نصب العین مخصوص مآخذات سے انسانی دماغ میں داخل ہوتا ہے۔ان میں مسلمہ طور پر مذہب آتا ہے۔ مذہب کا بیان خالق ومخلوق کا اوّلیں اور آخرین رابطہ ہے۔انسانی ذہن میں

Marfat.com

ابتدائی نقوش مذہب نے چھوڑے۔ کچھ باتوں کے لیے جستجو اور تصدیق مقصدیت قرار پائی اور کچھ باتوں پر اطمینان پالیا۔ مذاہب کا ایک تسلسل رہا ہے۔ انبیاء ہر قوم میں مبعوث ہوئے، مقصد کی نشاندہی کی، انسانوں نے اُسے نصب العین ٹھہرایا آخر اس سلسلہ کی تکمیل تو انسانی ضرورت تھی، وہ اب کامل مقصدیت کو واشگاف کر کے اپنانے پر تیار ہو بیٹھا تھا تو بارگاہِ الٰہی سے انسان کی یہ مُراد بھی پوری کر دی اور خاتم النبین ﷺ کو بطور کامل انسان، کامل نبی، کامل حامل قرآن، کامل عقلی، کامل حسی اور کامل رسول ﷺ بنا کر بھیج دیا۔ یہ مذہب کی بھی تکمیل تھی۔ آئندہ نہ نبی کوئی آئے گا اور نہ مذہب اور نہ ہی کتاب۔

البتہ سابق انبیاء، سابق مذاہب اور حاصل علم دنیا میں زندہ اور موجود ہے۔ اکیسویں صدی میں آ کر مسلم علماء نے کامل نبی ﷺ کی تعلیمات کو تنگ دائروں میں بیان کرنا شروع کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ساتویں صدی عیسوی میں اکیسویں صدی کا لائحہ عمل یہ کہہ کر دیا تھا کہ ہاں انبیاء سب قابلِ احترام ہیں اور رہیں گے کتابیں سب قابلِ احترام، مذاہب سب قابلِ احترام، قومیں سب قابلِ احترام اور یہ کہ انسان سب قابلِ احترام۔ سب خدائی تعلیمات تھیں جو انسان ہی لے کر آگے بڑھا ہے۔ جب تک ان تعلیمات میں جان رہے گی، آگے بڑھتی رہیں گی اور بالآخر قرآنی تعلیمات کا حصہ بن جائیں گی۔ اکیسویں صدی تک بہت کچھ قرآنی تعلیمات کا تشریحی حصہ بن چُکا ہے۔ البتہ مسلم علماء کو تنگ دائروں سے باہر نکلنے کی ضرورت ہے۔

مذہب علم نہیں ہے، عمل ہے:

پاولسن (۲۱) نے مذہب کو بڑی سنجیدہ اور علم جدید سے مطابقت رکھنے والی بات کی ہے کہ مذہب علم نہیں ہے۔ ہمارے پاس علمِ مذہب، تاریخِ مذہب اور فلسفہِ مذہب تو ہے، مگر یہ مذہب نہیں ہے بلکہ مذہبِ عمل ہے۔ ایسے اعمال و افعال ہیں جن سے مذہب خود کو ظاہر کرتا ہے مثلاً عبادات، مگر یہ مذہب نہیں ہے۔ مذہب کی اصل روح ایک خاص قسم کا قلبی رجحان۔ اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں خدا کا خوف و عاجزی اور خدا پر بھروسہ۔

مذہب کے اندر خدا کا خوف ایک حقیقت ہے۔ بھروسہ یا یقین کرنے والوں کے لیے ''ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون'' قرآن حکیم میں بھی کئی بار آیا ہے گویا خدا کا خوف ایک

Marfat.com

حقیقت ہے اور یہ یقین (ایمان) رکھنے والوں کے لیے نہ ہوگا۔ یہی یقین (ایمان) دراصل وہ مقصدیت کا نصب العین، لائحہ عمل وراہِ عمل ہے جو اس مقالہ میں زیرِ بحث ہے۔

پاولسن، عاجزی یا خوفِ خدا جبکہ شلائر ماخراس کو مطلق تابعداری کا احساس کہتا ہے۔ عاجزی ارفع ذات کے حضور بے مائیگی اور بے حقیقی یا لامحدود کے حضور اپنے محدود ہونے کا احساس ہے۔ انسان غیر محدود ذات کے دائرے میں آجاتا ہے۔ مکان اور اشیاء کی غیر محدودیت اس کے اردگرد پھیلی ہوئی ہے اور وہ اس کے اندر محض فنا ہو جانے والا ایک نقطہ ہے۔ اسی طرح لامتناہی زماں اُس سے پہلے اور اُس کے بعد ابد تک پھیلا ہے۔ گویا انسان ایک ناقابلِ پیمائش کل کے اندر ایک لاشئے ہے۔ وہ مذہب اس لیے رکھتا ہے کہ اُسے اپنی کم مائیگی کا شعور ہے۔ حیوان مذہب نہیں رکھ سکتا کیونکہ انسان اور حیوان میں جوہری فرق شعور کا ہے۔ حیوان کا شعور کامل نہیں ہوتا اس لیے اُسے مذہب کی ضرورت پیش نہیں آتی ہے۔ انسان کا شعور کامل، اُس کے شعور ذات اور شعور حقیقی کے درمیان تعلق ونوعیت سے آگاہ ہوتا ہے۔

دوسرا رُخ اعتماد، یقین اور ایمان کا ہے کہ غیر محدود قادرِ مطلق ہی نہیں بلکہ خیر ہی خیر ہے۔ مذہب کے اندر ایمان کے معنی قلب کے اُس ذاتی یقین کے ہیں جو حقیقی خیر سے مشتق ہے اور جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ انسان کی بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ یہ ایمان نظری تحقیق اور ثبوتوں پر مشتمل نہیں ہوتا۔ یہ فہم سے نہیں ارادے سے نکلتا ہے۔ انبیاء ورُسل اس کو اس طرح سے ظاہر کرتے ہیں۔ ایمان ان چیزوں کا خلاصہ ہے جن کی اُمید ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ایک عملی اعتماد اور بھروسہ ہے جو نظر وعلم پر نہیں بلکہ اُمید اور ارادے پر مبنی ہے۔

مذہبی یقین اسی زمرے میں شامل ہے اس کی اصل انسان کے اندر قلب اور ارادے میں ہوتی ہے۔ یہ اُس اعتماد پر مشتمل ایمان پر ہوتا ہے کہ وہ جو ایک حقیقت کل ہے، میں اُس کا کوئی جُز ہوں۔ اور وہ خیر ہی خیر ہے۔ یہ عالم بے مقصد حوادث کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ان کا تعین ایک تصور خیر سے ہوا ہے یعنی انہیں متعین کرنے والا خدا ہے جس کی ذات حقیقت کل اور خیر کل ہے۔ یہ اعتماد وایمان بلاشبہ ابتداء میں بالکل معمولی سطح کی بُت پرستی سے شروع ہوا اور آہستہ آہستہ یہ اعتماد وایمان مکمل صورت اختیار کر رہا ہے۔

Marfat.com

یہ مکمل صورت خاتم النبین ﷺ کے ذریعے شعورِ انسانی میں آگے بڑھی ہے۔ یہ آپ ﷺ ہی ہیں جنہوں نے اعتماد، یقین اور ایمان کو "ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" کے ساتھ جوڑ کر ایک مقصد کے لیے انسانی سرگرمیوں کو رُخ دیا جو خیر کے راستوں پر گامزن ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ تمام موجودہ مذاہب ایک مذہب میں ضم ہوں گے اور وہی کامل مذہب ہوگا۔ تمام انبیاء کے پیروکار ایک نبی کی تعلیمات پر آجائیں گے۔ یہ آخری مذہب اسلام ہے اور ایک نبی خاتم النبین ﷺ کی ذات ہے۔ اسے ہونا ہے کیونکہ یہی نظامِ فطرت ہے۔

ب۔ کائنات اور اُس کے مظاہر:

مقصدی تعینات میں ہر طرف پھیلی ہوئی کائنات کا بڑا بنیادی دخل ہے۔ دوسرے زاویے سے اگر دیکھیں تو یہ کائنات کے گوناگوں مظاہر ہیں جن کے اندر ہر انسان کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اپنی حیثیت، اپنا مقام، اپنا کردار اور اپنی طاقت دیکھتا ہے۔ جب اُسے کچھ سُجھائی نہیں دیتا تو پھر مذہب کی طرف راغب ہوتا ہے اور علم کی تگ و دو میں شامل ہوتا ہے۔ انسان کو یہ سمجھ آجاتی ہے کہ اُسے ایک معین مدت تک رہ رکر کچھ کرنا ہے۔ آگے بڑھنا ہے۔ وہ ایک خاندان کا حصہ ہوتا ہے۔ خاندان تمدن کی ایک اکائی ہوتی ہے۔ خاندان کا فرد، والدین کا بیٹا اور اپنی اولاد کے ساتھ اُسے مقامی تمدن میں آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ جو مذہب اُس تمدن کا ہوتا ہے، اختیار کرتا ہے۔ جو علم وہاں موجود ہوتا ہے، حاصل کرتا ہے۔ پھر حالات و ماحول کی مناسبت سے اپنی زندگی کے فرائض و حقوق کا تعین کرتا ہے اور آگے بڑھنے کی جستجو کرتا ہے۔ گویا کائنات کے مظاہر انسان کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں اور وہ ایک نصب العین کا تعین کرتا ہے۔

ج۔ علمیات اور ذہنِ جدید:

عقل، حواس، تاریخ اور فوری حادثات و واقعات، چاروں عنوانات کو ہم نے جدید سائنسی لفظ "علمیات" کے تحت بیان کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مقصد محض یہ ہے کہ مذہب کے خمیر سے جو ذہن اُٹھا وہ علمِ جدید کے ساتھ بیسویں و اکیسویں صدی میں اُسے کیسے دیکھتا ہے۔ مذہب گنوا دیا ہے؟ مذہبی ذہن ہار گیا ہے یا یہ سب نئے نئے علم اور نئے شعور کے مطابق بیان ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان

Marfat.com

نے اپنی منزل نہیں کھوئی بلکہ مذہبی زادِراہ کے ساتھ اُسے زیادہ علمی استدلالات، تصدیقات اور سہولیات ملی ہیں جو تیزی سے اُسے مقصدی نصب العین کی طرف لے جا رہی ہیں۔

علمیاتی غور وفکر میں حواس و تجربیت کے علاوہ باقی تمام مباحث مذہبی فکر کی تائید وتقویت کا باعث بنتے ہیں چہ جائیکہ مذہب ان میں زیر بحث ہو یا نہ ہو۔ ان سطور میں ہمارا بھی مؤقف مذہب ہی پر موجودہ معنوں میں زور نہیں کیونکہ اسلام کے علاوہ بھی مذاہب ہیں اور یہ بھی ماننا ہوگا کہ ہمارے داعیانِ اسلام نے اسے بھی روایتی مذہب کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ اسلام کا روایتی مذہب سے مختلف کردار ہے یہ ایک قوم یا محض موجودہ دعویدار اُمت تک محدود نہیں ہے۔ اسلام ''انسان اور انسانیت'' پر مدار کرتا ہے۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ انسان اور انسانیت اکیسویں صدی میں داخل ہو گئے ہیں۔ نبی آخر محمد ﷺ اکیسویں صدی میں ''انسان وانسانیت'' کے لیے جو رہبری دیتے ہیں کیا وہ علم جدید کے حامل ذہن سے کہیں ٹکراتی ہے یا آپ ﷺ کی تعلیمات نے قدم قدم پر انسانی عقل، حواس اور بصیرت کی راہنمائی کی ہے اور آج علمیات میں تمام ترقی آپ ﷺ کے مقصدی نصب العین کے مطابق ہوئی ہے اور آپ ﷺ کی رہبری آئندہ بھی انسانیت کے لیے ناگزیر ہے۔

روایتی مذاہب میں عقائد وایمان کو انسانی سطح پر اختیار کرنے، جاننے، ماننے اور نہ ماننے پر ابہام واختلاف فطری امر ہے۔ اسلام بھی اُسی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ محمد مصطفےٰ ﷺ کی پیغمبرانہ شان ایک قوم میں محدود نہ ہے بلکہ وہ پوری انسانیت سے وابستہ ہے۔ ضروری امر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ شان کو روایتی مذاہب سے بلند کیا جائے۔ اس کے دو طریقے ہیں:۔

- کہ علم جدید اور اُس سے تیار ہونے والے ذہن کے سوالات وعلمیات کو محمد ﷺ کی پیغمبرانہ رہبری کے بنیادی نکات وموضوعات کے زیر بحث وزیر تحقیق لایا جائے۔ یہ کام علمِ جدید سے آگاہ مسلم یا غیر مسلم ذہن کر سکتا ہے۔
- دوسرا آپ ﷺ نے انسان کو جو بامقصد نصب العین پہلی صدی ہجری میں دیا تھا، اُس کی کامیابی اور اُس کا حاصل مطلوب اب تک کیا ہے؟ بے لاگ تجزیہ سے علمِ جدید کے ذہن کو یہ باور کرانا مقصود ہوگا کہ جو ہوا ہے، بعین پیغمبرانہ شان اور نصب العین کے مطابق ہے اور آپ ﷺ کا پیغمبرانہ کردار ہی آئندہ کے لیے بھی مشعل راہ ہے۔

Marfat.com

عقل، حواس اور تاریخ کا مطالعہ ہی ہمیں جہاں علم جدید کے انسانی ذہن کی بلندی اور کار گزاری سے آگاہ کرتا ہے وہاں پیغمبرانہ شان و مقام کی ضرورت و اہمیت کا پتہ دیتے ہیں۔ پیغمبرانہ راہنمائی کے بنیادی اصول ہر دور، ہر انسان اور ہر علم میں یکساں اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ یہ انسان ہے اور شان انسان ہے اور مقام انسان ہے کہ اُس کو ایسی صلاحیت و بصیرت ملی ہوئی ہے کہ وہ پیغمبرانہ راہنمائی کے اصولوں کو اپنی بصیرت، اپنے ماحول اور اپنی استعداد کی حد تک اپنائے رکھے اور یوں انسان اپنی کوشش انسانیت کی جاری رو میں ڈالتا جاتا ہے۔ البتہ پیغمبرانہ راہنمائی کے بنیادی اصول پیغمبرِ آخر محمد ﷺ ہر نئے جنم لینے والے اور پروان چڑھنے والے انسان کے لیے اُسی طرح زندہ اور یقین افروز ہیں جتنے کہ وہ پہلے دن سے تھے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں علم جدید کے ذہن کی سطح کے مطابق بیان کیا جائے۔ علم جدید میں بحث کے دوران عقل، مابعد الطبیعات، ریاضیات اور نفسیات تک مذہب کے پلڑے میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ بے شک وہ مذہبی بحث نہیں ہوتی بلکہ وہ علمی بحث ہوتی ہے۔ علمیات کی یہی بحث یہاں زیرِ مطالعہ ہے جو تقریباً ہر سائنس دان، فلسفی اور نفسیات دان نے بیان کیا ہے۔ ہم یہاں پاولسن کی تحقیق کو لیں گے جو زیادہ موضوع کے قریب رہتی ہے۔ اُس کے مطابق علمیات میں عقل و فلسفہ، حواس و سائنس دونوں کا علمی تاریخ میں مقام رہا ہے۔ عقل نے عموماً مابعد الطبیعات سے ابتداء کی جب کہ مذہب کی ابتدائی حقیقت بھی مابعد الطبیعاتی ہوتی ہے۔ فلسفہ میں غور و فکر کے مباحث کچھ اس طرح رہے ہیں کہ:۔

- کائنات کی اصل اور اُس کے تعلقات کے متعلق تحقیقات کی جائیں۔
- حقیقت کی ماہیت و اصل معلوم کی جائے۔
- روح کی ماہیت اور جسم سے اس کے تعلق کو دریافت کیا جائے۔

مذہب ان مباحث پر بحث نہیں کرتا بلکہ واضح اور دوٹوک معلومات دیتا ہے۔ فیصلہ کن رائے دیتا ہے۔ عقل اپنے انداز سے ان کی حقیقت اور تصدیق کے لیے یقین و ایمان کی منازل طے کرتی ہے جب کہ سائنس اسی منزل کی جانب جزواً جزواً قدم بڑھاتی ہے۔ مذہب، عقل اور سائنس جب اپنے موقف اور اپنی تحقیق کے ساتھ انیسویں و بیسویں صدی میں داخل ہوئے تو علمیات یعنی علم کی ماہیت اور اس کے

Marfat.com

امکان نے جنم لیا اور علمیات میں تحقیق کا ہدف ٹھہرا۔ قبل ازیں علمیات کے تحت بحث میں کم از کم سائنسی تجربہ شامل نہ تھا۔

- علم کی حقیقت کیا ہے؟
- علم کی اصل کیا ہے؟
- علم کیا ہے؟
- علم کیونکر حاصل ہوتا ہے؟

ان سوالوں کا جواب علمِ جدید یوں دیتا ہے کہ علم حقیقت کی نقل ہے۔ تصور شئے کی بالکل تصویر ہوتا ہے۔ اور یہ ایک شئے کی بدلی ہوئی صورت ہوتی ہے البتہ فرق یہ ہوتا ہے کہ جسم حقیقت نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا تصورات، اشیاء، فکر اور مواد بالکل مختلف ہیں۔ یہ حقیقت و تصوریت پر یقین رکھنے والوں کا جواب ہے۔

دوسری طرف علمِ جدید سائنسی ذہن کا جواب یہ ہے کہ ہر قسم کا علم ادراک سے پیدا ہوتا ہے۔ خارجی و داخلی ادراک سے تجربہ اور ادراکات کو ترتیب دیتا ہے جس سے علم وجود میں آتا ہے۔ تجربات کو جمع کرنے اور انہیں ترتیب دینے سے حکمت وجود میں آتی ہے جب کہ عقلیت، تجربیت سے مختلف مؤقف رکھتی ہے کہ تمام حکمی یا حقیقی علم عقل سے ماخوذ ہوتا ہے۔ یہ ایسے نتائج کے داخلی ارتقاء کا مرہون منت ہے جو اوّلیں طور پر یقینی اصولوں سے مرتب ہوئے اور یہ اصول تجربے سے پیدا نہیں ہوتے۔

علمیات کے چار سوالوں کو دو سوالوں میں بھی لیا جاتا ہے۔ یوں علمیات کے ان چار سوالوں کو دو ممکن صورتیں دی گئیں ہیں۔ حقیقی تجربیت، یعنی اشیاء ویسی ہی ہیں اور ہمیں ان کا علم ادراک سے حاصل ہوتا ہے۔ حقیقی عقلیت، اشیاء جیسی کہ ہیں، کا علم حواس و ادراک سے نہیں بلکہ محض عقل سے ہوتا ہے۔ یہ مابعد الطبیعی نظاموں کا حصہ ہے۔ افلاطون، اسپائی نوزا اور ہیگل اس کے حامی ہیں کہ حقیقت کا کافی علم ہمیں عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ تصوریتی تجربیت اس بات کی مدعی ہے کہ اشیاء کا علم ہم کو صرف ادراک سے حاصل ہوتا ہے مگر مکمل نہیں ہوتا۔ اس کا بڑا نمائندہ ہیوم ہے۔ تصوریتی عقلیت کا نمائندہ کانٹ ہے کہ حقیقت اولیٰ کو ہم عقل سے جان سکتے ہیں لیکن ہمیں صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو وہ حقیقت کیسی معلوم ہوتی ہے لیکن وہ بذات خود کیسی ہے؟ یہ معلوم نہیں ہوتا۔

Marfat.com

انسان کی دماغی مشین کس طرح کام کرتی ہے اور انسان کو کسی مقصد کے لیے ترغیب فراہم کرتی ہے۔ دوسری نوعیت اُن مآخذات کی ہے جو دنیا کے مظاہر اور مؤثرات ہیں اور انہیں ہم نے مذاہب، کائنات اور علمیات کے تحت بیان کیا ہے۔ یہ جو سب بیان ہوا ہے دیکھنا یہ ہے کہ محمد مصطفےٰ ﷺ نے مقصدی تعینات کے لیے انسان کو کیا علمی بنیادیں فراہم کی تھیں اور اُن علمی بنیادوں پر ترقی کرتے انسان اکیسویں صدی میں داخل ہو گیا ہے تو کیا وہ علمی بنیادیں جھٹلا دی گئیں ہیں یا اُن بنیادوں پر علم اور ایجادات کی بلند و بالا خوبصورت عمارت تعمیر ہوتی جا رہی ہے۔

آپ ﷺ کا پیغام نبوت، ''علم، اُس کا حصول، اُس کے مطابق زندگی کو باضابطہ و بامقصد بنانا، باقی رہنے کے لیے مسلسل آگے بڑھنا اور حقیقت مطلقہ کے رازوں تک پہنچنا اور منزلِ انسانیت سے سرفراز ہونا تھا۔ یہ پیغام نبوت کبھی مذہبی علم، کبھی کائناتی علم، کبھی یونانی علم، کبھی لاطینی علم، کبھی ایرانی علم، کبھی ہندی علم، کبھی چینی علم، کبھی افریقی علم، کبھی یورپی علم، کبھی قرآنی علم اور پھر کبھی انسانی عقلی علم، کبھی انسانی حواس پر مشتمل علم، کبھی وجدانی علم اور کبھی اسلامی علم کے ذریعے درجہ بدرجہ ترقی کرتے، نشیب و فراز کی منزلوں سے گزرتے اکیسویں صدی کے انسان تک پہنچا ہے۔ ہم نے پہلے لکھا کہ علم کا ارتقاء پہلے انسان سے شروع ہو گیا تھا۔ اور آج قابلِ فخر مقام پر ہے۔ آپ ﷺ کی رہبری کو اگر کوئی نظر انداز کرتا ہے تو اُس کی معلومات میں کمی ہے اور اس کمی کے رہ جانے کے ذمہ داری اُمت محمد ﷺ کے علماء و حکماء کے سر ہے۔

آپ ﷺ کے پیغام نبوت، تصور علم اور زندگی کے بامقصد بنانے کے حوالے سے اکیسویں صدی میں بھی رہبری کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے۔ انسان انہی افکار کو اپنی شعوری ترقی اور اپنی علمی سعی کی مناسبت سے اجاگر کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا مقصد انسان کو باعمل، بااختیار اور باشعور بنانا تھا۔ پیغمبرانہ پیغام صرف اصول فراہم کرتا ہے۔ اُن اصولوں کو جاننا، سمجھنا، بیان کرنا، استعمال میں لانا، غلطی کرنا، اُسے درست کرنا، انسان کا دائرہ اختیار ہے۔ نبوت جو اصول فراہم کرتی ہے اُس میں یہ دعویٰ بھی کارفرما نہیں ہوتا کہ شائد یہ اُس شخص کی تخلیق ہے بلکہ اُس کا ہمیشہ یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ پیغام اور اصول محض اور محض حقیقت مطلقہ سے مستعار ہیں اُس کے خزانۂ علم کی کتاب ''لوحِ محفوظ'' ہے اور وہیں سے یہ علم حکم الٰہی

Marfat.com

سے دنیا میں آتا ہے۔ پہلے بھی آتا تھا، آپ ﷺ چونکہ خاتم النبین ﷺ تھے اس لیے قرآن حکیم کی صورت میں کتاب لوحِ محفوظ کا مستند اور کامل ترین اصولوں کا خزانہ عطا کر دیا ہے جو آخری انسان تک ہدایت و رہبری کی دستاویز ہے۔ کوئی اس خزانہ سے کب اور کتنا استعفادہ کرتا ہے یہ انسان کے ارتقاء کے ساتھ ہے۔ انسان کی استعداد پر بھروسہ کرتے ہوئے نبوت کا خاتمہ ہوا اب انسانی استعداد کا امتحان ہے کہ وہ مثبت انداز میں آگے بڑھے۔

علمِ جدید اور پیغمبرانہ رہبری کی مناسبت سے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ انسان کو خدائی رہبری کا سلسلہ مکمل طور پر بند نہیں کیا گیا۔ نبوت کے خاتمہ اور کامل اصولوں پر مشتمل دستاویز (قرآن) ایک الگ نظام رہبری ہے۔ انسان ختم نبوت کے بعد رہبری کا امین ٹھہرا ہے۔ اب خود مسافر ہے اور خود رہبر۔ مسافری کی منزلوں میں کئی مقامات پر وہ رہبری میں غلطی کرتا ہے۔ اُس کو احساس ہو جاتا ہے تو پھر وہ رہبر کی تمنا کرتا ہے۔ کبھی تو اُسے نبی کی رہبری رواں کر دیتی ہے اور اگر کسی وجہ سے وہ اس وسیع دنیا میں پیغمبرانہ رہبری کو نہ پا سکے یا سمجھ نہ پائے تو قدرت اُس کی براہ راست رہبری فرما دینے پر قادر ہیں۔ وحی و نبوت کا اختتام ہے، کم تر درجہ کی وحی یعنی الہام بند نہیں ہوا، علمی تجلی انسان کے ساتھ ہے۔ علم جدید اور پیغمبرانہ رہبری کی بحث میں یہ نقطہ مدِ نظر رہنا چاہیے۔

خدا کا پہلا حکم علم کا یعنی ''اقــــراء'' ہے اور آپ ﷺ فریضہ نبوت کا بار بھی ''اِقــــراء'' سے اُٹھاتے ہیں۔ علم ہی خدا کا راز ہے۔ علم ہی پیغمبرانہ فریضہ ہے۔ علم ہی انسان کا امتیاز ہے۔ یہی تکوین کائنات کے کردار و اسرار ہیں۔ علم انسان کی فطرت میں رکھ دینے کے بعد فرشتوں کا کردار بھی محدود ہو گیا۔ رازِ علم کے فلسفہ کو جاننا اور کائنات کی روانی کو جاننا اور اسرارِ حقیقت سے پردہ کشائی سرکشی اور بغاوت میں رکھ دی گئی ہے۔ فرشتے اور نبی سرکشی نہیں کر سکتے وہ پابند حکم ہیں۔ سرکشی و بغاوت انسان کی فطرت میں رکھی گئی آخر کیوں؟ بنایا بھی خدا نے، امر بھی اُس کا ہے، روح بھی اُسی نے پھونکی پھر ایسا کیوں؟ اس کا جواب یہی گزشتہ علمی بحث ہے جو پیغمبرانہ رہبری اور علمِ جدید کے حوالے سے ہوتی ہے۔ انسان کسی موقع پر کیا کچھ دعوے کر جاتا ہے، اہمیت کا حامل نہیں بلکہ توجہ کا مرکز یہ رہنا چاہیے کہ علم کا وارث بالآخر یہی انسان ہے۔ حقیقت تک انسان نے پہنچنا ہے اور یہ راستہ سرکشی و بغاوت اور مزاحمت کی

Marfat.com

مزاحمت سے طے ہوتا ہے۔صبح ازل سے شیطان کی سرکشی اور بغاوت انسان کی منزل کھوٹی کرنے کے لیے نہیں بلکہ اُسے حقیقت کا شعور دے کر اُسے ثابت قدم رہنے کی جنگ کا آغاز تھا۔اقدام وخطا کا فلسفہ کامیابی کا راز ہے۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے،قوموں کی سمت کے تعین میں اہمیت کی حامل ہے۔ ہر قوم کی ایک تاریخ ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ اپنا آئندہ کا لائحہ عمل اختیار کرتی ہے۔ضیاء الدین برنی اس علم کی افادیت پر بیان کرتا ہے:

''علم تاریخ کی پہلی نفیس بات یہ ہے کہ آسمانی کتب،مثلاً قرآن مجید وغیرہ،انبیاء علیہ السلام کے بہترین اور برگزیدہ مخلوق ہیں،کہ معاملات کے بیشتر آثار،شہنشاہوں کے واقعات اوران لوگوں کی جباری وقہاری کے تذکرے سے جو بنی نوع انسان کے حاکم وآمر رہے،بھری پڑی ہیں اور یہی ایک ایسا علم ہے جو صاحبان بصیرت کے لیے سرمایہ اعتبار بنتا ہے۔''

علمِ تاریخ کی دوسری نفاست یہ ہے کہ علمِ حدیث میں،کہ وہ تمام قرآن حضرت محمد ﷺ کا قول وفعل ہے اور علم تفسیر کے بعد سب علوم سے زیادہ عمدہ اور نافع علم ہے،روایت کرنے والوں کی جانچ پڑتال اوران کی تعریف،حدیثوں کے ورود کا ماجرا،سرکارِ دو عالم ﷺ کے جہاد وغزوات کے معاملات،اوراحادیث کے ناسخ ومنسوخ کے مواقع کی تقدیم وتاخیر کا ذکر ہوتا ہے،اس لیے وہ تاریخ ہی سے متعلق ہے۔یہی سبب ہے کہ علمِ حدیث اور علمِ تاریخ کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

تیسری عمدہ بات علمِ تاریخ کی یہ ہے کہ علمِ تاریخ کے شعور سے عقل ودانش میں افزونی ہوتی ہے اور یہ رائے اور تدبیر کی درستی کا باعث بنتا ہے۔اس میں دوسروں کے تجربات کا مطالعہ کر کے قاری خود تجربہ کار بن جاتا ہے اور دوسروں پر گزرے ہوئے حادثات کے جاننے سے تاریخ دانوں میں دور بینی وعاقبت اندیشی پیدا ہوتی ہے۔ارسطو کا قول ہے کہ علم تاریخ کا جاننا درست عقل ورائے کے لیے ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے،کیوں کہ سلف کے احوال کا علم خلف کی صحت رائے کے لیے ایک شاہد عدل ہے۔

چوتھی نفاست یہ ہے کہ علمِ تاریخ سے واقف ہونے سے شہنشاہوں،بادشاہوں، وزیروں اور عظیم لوگوں کے دل قدیم اور جدید حادثات وواقعات میں برقرار رہتے ہیں۔اور اگر سلاطین کو آسمانی حادثات کے سبب کوئی سخت مصیبت درپیش آجائے تو اس کے دور ہونے

Marfat.com

کی اُمید ختم نہیں ہوتی۔گزشتہ لوگوں نے بیماریوں کو دور کرنے کے لیے جو علاج اختیار کیا اُس (علم) سے موجودہ لوگوں کے لیے امراض کو دور کرنے کا علاج روشن ہو جاتا ہے اور دل ان خیالی اور وہمی حادثات و واقعات سے جو سینوں میں در آتے ہیں، بچا رہتا ہے۔اس کے علاوہ حادثات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی ان کی علامتوں کا پتا چل جاتا ہے۔اور یہ فائدہ ایک عظیم فائدہ اور یہ نفاست بہت بڑی نفاست ہے۔

پانچویں نفاست اس علم کی یہ ہے کہ اس کی وساطت سے انبیاء علیہ السلام کے حالات و حادثات اور ان کے ان حادثات وغیرہ کو صبر و رضا سے برداشت کرنے کا پتہ چلتا ہے، اور پھر یہی آگاہی، تاریخ کے جاننے والوں کے لیے صبر و رضا کا باعث بنتی ہے اور انبیاء علیهم السلام کا مصیبتوں سے نجات پانا علمِ تاریخ کے عالموں کے لیے اُمید کا وسیلہ بنتا ہے؟ اس لیے کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیهم السلام پر بھی، کہ افضل انسان تھے، کئی مصیبتیں نازل ہوئیں تو اس سے مومنوں کے دل مصیبتوں اور حادثات کے وقوع پذیر ہونے سے خائف نہیں ہوتے۔

چھٹی نفیس بات یہ ہے کہ اس کے جاننے سے نیک لوگوں، منصفوں اور نجات پانے والوں کے عادات و خصائل، ان کی نجات اور ان کے درجے وغیرہ دل میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔سرکشی کے سبب ظالموں اور جابروں کی بے نصیبی اور ان کی ہلاکت و تباہی مسلمان بادشاہوں، وزیروں اور سلاطین خلفا و سلفا پر واضح ہو جاتی ہے، جس کے سبب معاملات حکومت میں نیک کرداری و بدکرداری کے نتائج روشن ہو جاتے ہیں اور نیک بخت سلاطین، سلوک اور خلفاء نیکی و خیر کی طرف مائل ہوتے ہیں۔مسلمان بادشاہ خدائے بزرگ و برتر کی جباری و قہاری سے نہیں اُلجھتے اور امورِ سلطنت میں ظلم و ستم اور تکبر و فرعونیت سے کام نہیں لیتے۔علاوہ ازیں صفاتِ بندگی کے لوازم کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔اس طرح خلفا، سلاطین، وزراء اور ملوک کے نیک کاموں کا فائدہ عوام کو ہوتا ہے اور دور و نزدیک تک پہنچتا ہے۔

اور ساتویں نفاست علمِ تاریخ کی دین و سلطنت کے بزرگوں سے متعلق اس کی سچائی کا لازم ہونا ہے۔سلف و خلف کا قول ہے کہ علمِ تاریخ کی بنیاد سچائی پر رکھی گئی ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی: ''پچھلے لوگوں میں میرا ذکر صحیح جاری کرنا'' اور خود اللہ تعالیٰ جھوٹ لکھنے والوں کی تنبیہ میں فرماتا ہے: ''وہ الفاظ کو اُن کی جگہ سے ادل بدل کر بیان کرتے ہیں۔'' اس کے علاوہ باری تعالیٰ نے دروغ گوئی اور بہتان

Marfat.com

تراشی کو ہلاکت آفریں باتوں میں شمار کیا ہے۔

تاریخ کی تالیف اور علمِ تاریخ دونوں ایسے بزرگوں، بزرگ زادوں اور معروف وعظیم لوگوں سے مخصوص ہے جو انصاف، سچائی اور درستی سے منسوب تھے۔ اس لیے کہ علمِ تاریخ اسلاف کے خیر وشر، انصاف وظلم، ان کی حق داری وغیر حق داری، اچھائیوں، برائیوں پرہیز گاری، گناہ گاری، فضیلتوں اور رذالتوں وغیرہ نقل کرنا ہے، تاکہ بعد میں آنے والے لوگ اس سے سبق اور عبرت حاصل کریں۔ حکم رانی ونیکوکاری کے فوائد اور نقصانات کا خیال رکھیں اور بدکرداری سے پرہیز کریں۔ خدانہ کرے کہ کوئی دروغ گو اور افترا پرداز جھوت کو کام میں لائے اور اپنے فریب کار باطن اور خبیث نفس کے باعث بزرگوں کے خلاف نازیبا امور تراشے، من گھڑت قصے اپنی کتاب میں درکرے، اپنے بہتان وافترا، کورنگین تحریروں کے ذریعے پھیلائے، جھوٹے واقعات کو اس رنگ میں پیش کرے کہ وہ صحیح معلوم ہوں، دنیا و آخرت کی خطا وجزا سے نہ ڈرے اور قیامت کے دن جو حساب کتاب اسے دینا ہوگا اس سے خوف نہ کھائے، کیوں کہ نیک لوگوں کو برا کہنا اور برا لکھنا زبان سے کی جانے والی چغلی سے بھی کہیں زیادہ سخت گناہ ہے، اور بروں کو نیک کہنا یا لکھنا بدکرداری کی بہت بڑی مثال ہے۔(۲۲)

مقاصدِ نبوت محمد ﷺ :

مقاصد کا مطلب وہ اہداف ہیں جن تک انسانیت نے انفرادی واجتماعی کوششوں سے پہنچنا ہے۔ یہ درجہ بدرجہ منازل ہیں جن کا آغاز پہلے انسان سے ہوا اور آخری انسان تک جاری رہے گا۔ مقاصد کے تعینات کو ہم حکمتِ عملی اور لائحہ عمل کہہ سکتے ہیں جو نبوت محمد ﷺ کی سطح پر متعین کیے گے ہیں۔ یہ جستجو اور آگے بڑھنے کے محرکات واہداف ہیں۔

ہدف نمبر 1: شعور حقیقی کی حقیقی پہچان:

شعور حقیقی ایک حقیقت تھا، عدم سے حقیقت تھا۔ حقیقت ہے، علمِ نبوت کے ساتھ علم جدید کے بھی اعترافِ حقیقت ہے۔ حقیقت رہے گا کیونکہ خدا ہی واحد حقیقت ہے۔ قرآن میں جا بجا اس حقیقت کی ابدیت کا اعلان ہے۔ یہی اعلان انسان کا اوّل ہدف ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

''اور اے نبی، لوگوں کو یاد دلاؤ تمہارے رب نے ایک گھڑی بنی آدمؑ کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا

Marfat.com

تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں انہوں نے کہا۔
ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔'' (سورۃ الاعراف ۷: ۱۷۲)

گویا اوّل و آخر ہدف ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ انسان ایک کائنات ہے اور یہی حقیقت کائنات ہے۔ رازِ حقیقت اُس کی سرشت میں پوشیدہ ہے۔ چاند ستاروں اور زمین و آسمان کی کائنات وہ دلائل ہیں جو راز حقیقت کو ثابت کرتے ہیں۔ مقاصد انبیاء سابقہ اور مقاصد نبوت محمد ﷺ انسان کو فطرت کی سیدھی لکیر پر کاربند رکھنے کا بندوبست ہے۔

ہدف نمبر۲: ہدایت الٰہی سے آگاہ کرنا:

فطرتِ انسان کا رازِ انسانیت کا مسلسل ہدف ہے۔ سلسلہ انبیاء اسی لئے تھا اور آپ ﷺ کو اس بابت کامل حکمت دے کر زیادہ ذمہ داری دی جو کامیابی سے آگے بڑھ رہی ہے ارشاد ہے:۔

''کہ اُس نے ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔'' (آل عمران ۳- ۱۶۴)

ہدف نمبر۳: ذہنی و جسمانی یکسوئی کا لائحہ عمل:

انسان کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے جو اندر ہی اندر ہر آن آمادہ جنگ رہتی ہے۔ سرکشی و بغاوت ہدف کے حصول میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ مقاصد نبوت میں ایمانیات و عبادات کا نظام ذہنی و جسمانی یکسوئی کا لائحہ عمل ہے اور سرکشی و بغاوت کی مزاحمت کے خاتمہ کے لیے تیار کرتا ہے۔ یہ کامیاب اور کارگر نسخہ ہے لیکن اس کا امتحان معاملات میں پڑ کر ہوتا ہے۔ پاکیزگی سے یہ نظرِ بینا پیدا ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے ویُزکیھم (اور اپنی) ان کو پاک کرتا ہے۔ (آلِ عمران ۳-۶۲)

ہدف نمبر۴: کتاب و حکمت کی تعلیم:

کتاب سے مراد قرآن مجید ہے جو آپ ﷺ پر کامل دستاویز بطور وحی نازل ہوئی۔ اس کتاب میں انسان کو ڈوبنے کی تلقین کی۔ اس کے راز و حکمتیں جو اس کے اندر پنہاں ہیں، پانے کی اُمید دی۔ انسانی فطرت کا راز بھی انسان کے اندر اور اُسے پانے کی صلاحیت بھی انسانی فطرت کے اندر موجود ہے۔ اس صلاحیت کو جلا بخشنے، ترغیب دیتے رہنا، آگے بڑھنے کے محرکات فراہم کرنا، مایوسی و نا اُمیدی سے دور رکھنا قرآن کے اندر پنہاں ہے۔

Marfat.com

ہدف نمبر۵: موت اور آخرت:

مقاصدِ نبوت میں یہ ایک اہم ترین مقصد ہے۔ خدا، رسول ﷺ اور آخرت آپس میں باہم جڑا ہوا فلسفہ ہے:۔

''جس طرح اُس نے (خدا نے) تمہاری ابتداء کی اسی طرح تم لوٹو گے۔'' (۲۹-۸)

انفرادی زندگی کی ابتداء اجتماعی زندگی میں ڈھلتی جاتی ہے۔ انفرادی زندگی کا خاتمہ ہوتا ہے مگر اجتماعی زندگی ایک معین وقت تک جاری رہے گی۔ انفرادی زندگی کا مقصد اجتماعی زندگی کے لیے ثمر آور ہونا تھا۔ یہی آخرت کا سوال ہوگا۔ نبوت اس سوال کے جواب کے لیے قدم قدم پر راہنمائی کرتی ہے۔

مقصدیت کے نصب العینی تعینات:

مقصدیت کے تصوری تعینات، فکری تعینات یا اعتقادی تعینات تو سیرت النبی ﷺ کی ہر پل کہانی ہے۔ یہاں ''حدیث جبریل'' (۲۳) کو لیا گیا ہے۔ جو مقاصد نبوت اور فریضہ نبوت کی چار جہات سے تعین کرتی ہے۔ جامع حدیث ہے۔ فرشتہ جبرائیل علیہ السلام صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور اُس کے سوالات و جوابات کی روشنی میں آپ ﷺ ''اسلام'' اعتقادی و نصب العینی مدعا کے اجزاء، ان اجزاء کے عملی اراکین اور پھر بازارِ دنیا میں رہ کر عملی و کرداری معاملات اور سفر انسانیت کی نتیجہ خیزی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس مقالہ میں سیرت رسول ﷺ کے تصوری، فکری، اعتقادی اور نصب العینی جہت زیر بحث ہے۔ باقی جہات دوسرے مقالات کا حصہ ہوں گی۔

''آپ ﷺ مجھے بتایئے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اُس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور یومِ آخرت پر اور یہ کہ تم یقین رکھو تقدیر پر اور اس کے خیر و شر پر۔'' (مسلم شریف)

گزشتہ سطور میں ہم نے کائنات کے ایک محوری کردار ''انسان'' کی مناسبت سے باقی رہنے اور آگے بڑھنے کے لیے اُس کی جسمانی اور ذہنی فعلیت کس طرح کام کرتی ہے، وضاحت کی ہے۔ ہر انسان شعور کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو سوچنا شروع کرتا ہے۔ مقالہ کے آغاز میں وہ سوالات رکھے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی سوالات پہلے انسان کے بھی تھے اور آج علمِ جدید اور ترقی یافتہ شخص کے بھی یہی

Marfat.com

سوالات ہیں۔ سوالات ڈھونڈنے کے لیے آنکھیں کھولتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ سنتا ہے۔ ذائقہ لیتا ہے، چھوتا ہے۔ یہ ساری حسیں یا حرکتیں اُس کے ''دماغ'' حصے پر حملہ آور ہوتی ہیں اور اُس کے ذہن میں ایک جسمانی یا مشینی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اسے حکماءِ علمِ جدید میں چار عنوانات دیتے ہیں:۔

احساس

تصورات

جذبات

ارادہ

یہ جسمانی عمل اپنے سوالات کا جواب تلاش کر کے اپنا راستہ یا عقیدہ تلاش کرتا ہے۔ اس منزل پر انسان جسمانی یا مشینی درجہ سے اوپر اُٹھنا شروع کر دیتا ہے اور وہ ذہنی میدان میں غور و فکر و تدبر کی صورت بناتا ہے اور عقیدہ و ایمان، رہبری کے یقینی مآخذات، تصدیقی لوازمات اور یقین کے امکانات کی طرف بڑھتا ہے۔ اس عمل میں ماضی و حال کے انسان کے تمدنی نتائج اُس کے اس عمل میں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ ہم نے انہیں مختصر ترین عنوانات مذاہب، کائنات، تمدن و تاریخ اور علمیات دیئے ہیں۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ انسان یہ ذرائع استعمال کرے۔ نئے سرے سے غور و فکر کرے۔ سب مذاہب کا مطالعہ کرے اور انسانیت کو یہاں تک پہنچانے میں اُس کے حصہ کا تعین کرے۔ اُس کے مثبت کردار کو مدِ نظر رکھے۔ کائنات ایک معمہ ہے۔ ایک اسرار ہے۔ کھُلی آنکھ سے گو مسلسل دیکھ رہا ہے مگر معمہ بڑھتا ہی جا رہا ہے، اس لئے یہ مشاہدہ کا تسلسل جاری رکھے۔ تمدنی ارتقاء انسان کے افعال و اعمال سے وابستہ ہے۔ انہی واقعات و حادثات کی معلومات تاریخ ہے اور پھر علم جدید، علمِ قدیم کے ارتقاء کے اس موڑ پر علم ایک وسیع سمندر بن گیا ہے۔ علم سب کا سب وحی سے آتا ہے اور منشاء خداوندی کے خلاف کچھ نہیں ہوتا ہے۔ یہ سطور اکیسویں صدی میں بیٹھے لکھی جا رہی ہیں۔ اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ آج کا جدید انسان چاہے وہ غیر مسلم ہے یا مسلم، محمد مصطفےٰ ﷺ نے جو مقصدی لائحہ عمل دیا ہے وہ آج کے دور میں کتنا مقصدی جا رہا ہے اور کتنا غیر مقصدی یا مقصدی ہے اور کتنا عملی ہے؟ انسانیت کی فلاح کا یہ آخری لائحہ عمل ہے۔ انسان جتنا جلد اس طرف زیادہ متوجہ ہوگا۔ زندگی کی سمت، اُس پر کار بند ہونے کا ٹھوس لائحہ عمل، پاکیزگی

Marfat.com

عمل پیرا ہونے کے اطمینان بخش محرکات، تصدیقات اور یقین پائے گا۔

اس سارے میکانزم کی تائید آپ ﷺ نے یوں کی:۔

''ایمان معرفتِ قلب' زبان سے اقرار اور اعضاء و جوارح سے عمل کا نام ہے۔''

اور یوں انسان کے لیے ابدی و مقصدی نصب العین اور اُس کے تعینات کو سند جواز بخشی جو آج اکیسویں صدی میں بھی وہی اہمیت رکھتے ہیں جو ابتداء میں تھی:۔

اوّل: اللہ تعالیٰ کے واحد و یکتا ہونے پر یقین۔

دوم: فرشتے، جو نوری مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرائض سرانجام دیتے ہیں، پر یقین رکھنا۔

سوم: تمام کتب الٰہی معہ قرآن، یہ یقین کہ یہ خدا کا کلام ہے اور سب کا منبع لوح محفوظ ہے بے شک قرآن مکمل عطیہ الٰہی ہے۔

چہارم: تمام رسولوں پر ایمان مع محمد مصطفےٰ ﷺ اور ختم نبوت پر یقین۔

پنجم: یومِ آخرت، یعنی اس کے بعد کی دنیا اور جزا و سزا کا یقین۔

ششم: تقدیر یعنی کوئی کا تب تقدیر، انسان کی تقدیر کا معمار ہے، یہ یقین رکھنا۔

ہفتم: خیر و شر حقیقت ہے، پر یقین رکھنا۔

انسانی زندگی کا یہی ایجنڈا و دستور العمل اُس کی فطرت میں پنہاں رکھا گیا۔ اسی ایجنڈے اور دستور و عمل پر انسان نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ انسان نے اپنا مقصد دیکھ رکھا ہے۔ مقصد کے حصول کے لیے محرکات انبیاء فراہم کرتے رہے اور یوں انسان اپنے فطری ایجنڈے و دستور العمل کے مطابق اور اپنی جسمانی، دماغی اور ذہنی جدو جہد کے ذریعے ایک ایسی منزل پر آ پہنچا ہے جہاں وہ خاتم النبین ﷺ کی تکمیلی ہدایت کا مستوجب ٹھہرا اور پھر اُس کی روشنی میں سفر کو جاری رکھتے ہوئے اکیسویں صدی میں داخل ہو گیا ہے۔ اکیسویں صدی کا انسان سابقہ صدیوں کی طرح مذہبی نہیں ہے۔ اب عقل و سائنس کا دور ہے۔ محمد رسول ﷺ کی ہدایت کا یہ امتیاز ہے کہ وہ انسان کو اُس کی فطرت کے مطابق مقصدی نصب العین یا ایمان کی راہ دکھاتی ہے مگر اس کے عقل و سائنس کی سطح پر تجربات و مشاہدات، دلائل اور نتائج مرتب کرنے کی ترغیب بھی دیتی ہے کیونکہ عقدہ کھلنے کی بالآخر یہی راہ ہے۔

Marfat.com

''وما ارسلنامن قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا اله اِلا انا فا عبدون''(الانبیاء۲۱-۲۵)

ترجمہ:''اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھی بھیجے ان کو یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سواء کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو''

معلوم ہوا کہ ایک خدا کا تصور اور اُس کی عبادت کا تصور عالمگیر رہا ہے اور ہے۔یہی وہ اوّل وآخر نصب العین ہے جو انسانوں کی فطرت اور خون میں رواں ہے۔اسی نصب العین کو محمد مصطفےٰ ﷺ نے مکمل صورت میں پیش کر دیا ہے جس کے ساتھ ہی شرک کے راستے بند ہو گئے۔سائنس کے ابتدائی تجرباتی ومشاہداتی دور میں خصوصاً یورپ میں بڑے بڑے اور صاحب بصیرت حکماء نے خدا کو نہ ماننے کی مہم چلائی۔یہ مہم خدا کے خلاف نہ تھی بلکہ مذاہب نے نئے بتوں کو خدا بنالیا تھا، یہ اُن خداؤں سے انکار کی مہم تھی ورنہ خدا سے انکار ممکن نہیں کیونکہ وہ انسان کی فطرت میں موجود ہے۔انسان کے اندر خدا ہی محرک اوّل ہے اور خدا ہی مقصودِ انسان ہے۔خدا کو تو بے حجاب کر دے۔خدا تجھے بے حجاب کر دے۔لیکن ایک تصور تو خدا کا انسان کے لیے درکار رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ کئی بار غیر خدا کو خدا بنا بیٹھا تھا۔امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔

> ''تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تو ایک مخلوق ہے اور تیرا پیدا کرنے والا کوئی ایک ضرور ہے۔اسی پروردگار نے اس دنیا کو اور جو کچھ اس دنیا میں ہے، سب کو پیدا کیا ہے، وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہ یکتا ہے۔اس کی مثل کوئی دوسرا نہیں۔وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ازل سے ابد تک اس ہستی کا وجود یقینی ہے۔فنا کا اس کے لیے کوئی امکان نہیں۔اس ذات کی ہستی اُس کی اپنی ذات سے ہے۔اس کو کسی سبب وعلت کی ضرورت نہیں ہے۔دنیا کے تمام موجودات کا وجود اسی کی ذات کے باعث ہے۔وہ بذات خود نہ جوہر ہے اور نہ عرض۔وہ کسی وجود میں نہیں سماتا نہ کسی چیز کی مشابہت ہی رکھتا ہے اور نہ دنیا کے موجودات اس کی مثل ہیں۔اس کی شکل کوئی نہیں نہ اس کی ذات میں ہم کو چون وچرا کا حق ہے۔''(۲۴)

خدا کا کوئی تصور نہیں مگر مقصد پھر بھی خدا ہے۔خدا ہی کو پانے کا نصب العین ہے۔آخر وہ کیا پائے گا؟ آخر کچھ تو تصور چاہیے مگر تصور تو ہے نہیں، اُسے کوئی تصور احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔علامہ اقبال کے الفاظ ذرا تسلی کرتے ہیں۔نمود اُس کی، نمود تیری، نمود تیری، نمود اُس کی۔انسان نے اپنی نمود کو بڑھانا ہے تو اُسے خدا کی نمود کا اندازہ ہوتا جائے گا۔اسی بات کو شاہ ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ توحید کے چار مرتبے ہیں:۔

Marfat.com

اوّل: کہ صفت وجوبِ وجود کو باری تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دے اور اس کے سواء کوئی واجب نہ ہو۔
دوم: عرش آسمان وزمین اور تمام جوہروں کا خالق خدا تعالیٰ ہی کو سمجھے۔ اس پر کسی گروہ کو اختلاف نہیں رہا۔
سوم: زمین وآسمان اور ان کے درمیان سب چیزوں کا مدبر خدا ہی کو سمجھے۔
چہارم: اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق نہیں ہے۔(۲۵)

شبلی نعمانی نے انسان کے مقصدی نصب العین کی جد و جہد کو اکیسویں صدی کے قرب و جوار میں آ کر چھوڑا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

''محمد رسول ﷺ کی بعثت عمومی تھی جو آخری زمانہ تک کے لیے اور تمام قوموں کے لیے تھی اور علمِ الٰہی میں یہ تھا کی بعثت محمدی ﷺ کے بعد عقلِ انسانی تحقیق وتلاش کے آخری مراحل طے کرنا چاہے گی اور قدرت کے سربمہر خزانے وقفِ عام ہوں گے اور عقلیت کا دور دورہ ہوگا اور ہر شئے دلیل وثبوت کی محتاج قرار پائے گی۔ اس لیے محمد رسول ﷺ کو دلائل وبراہین، ثبوت شواہد کی بھی تلقین کی گئی۔''(۲۶)

گویا مذہبی راہنمائی کے خدوخال کی بنیاد پر انسان اپنے جوہری ذرائع کو بروئے کار لا کر آگے بڑھا ہے اور آج ایک نئی دنیا بنا بیٹھا ہے۔ انسان کو ایک گونا اعتماد حاصل ہو گیا ہے۔ اُسے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ کارِ نبوت کیا ہے؟ انسانی زندگی کا ایجنڈا اور دستور العمل اُس کی سمجھ میں آ رہا ہے۔ وہ خدا کی کائنات پر خدا کے مقصدی نصب العین کے عین مطابق تصرّف اور مسخر کرنے کی راہ پر ہے۔ چارلس ڈارون، جس کے نظریہ ارتقاء کو خدا کا متبادل بنا کر پیش کرنے کی ایک عقلی وسائنسی کوشش کی گئی اور یہ کوشش گو محض مذہبی اجارہ داری کے خلاف تھی اسے خدا کے بارے میں پوچھا گیا تو اُس نے جواب دیا کہ تحقیق میں خدا میرا موضوع ہی نہ تھا۔ اور نہ مجھے خدا سے انکار ہے۔ یہ موضوع ایسا ہے۔ جو کبھی آئندہ عقل وسائنس سے ثابت ہو سکتا ہے، اس لیے اس سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔(۲۷)

آج کی عقلی وسائنسی دنیا ''انسان'' کو ہی مرکز ومحور بنا بیٹھی ہے کہ عُقدہِ کائنات، اور اسرارِ قدرت کا راز انسان ہی کے ہاتھوں فاش ہوگا۔ یہ انسان کا اپنے آپ کو پانے کے اوپر اعتماد کا اظہار ہے۔ اسلامی تعلیمات میں معرفت خدا کے لیے معرفتِ خود کو ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد دوبارہ نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

''ایمان (یعنی خدا کو ماننا) معرفتِ قلب، زبان سے اقرار اور اعضاء وجوارح سے عمل کا نام ہے۔''

Marfat.com

اس کی توضیح امام غزالیؒ یوں کرتے ہیں:۔

''انسان اپنے وجود سے خدا کو پہنچانے اور اپنی صفات کے پہنچاننے سے خدا کی صفات کی معرفت کرے اور اپنے تصرفات کو جو اسے اپنے جسم پر ہیں، اس کے ذریعے خدا کو سمجھے کہ اس کے تصرفات کتنے وسیع ہوں گے۔(۲۸)

مقصدیت کے نصب العینی تعینات میں دوسرے مزید چھ تعینات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ تمام باقی تعینات، تعین اوّل کے مضمرات ہیں۔ یہاں ان کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے نوری کارکن ہونے کی اور غیر مادی ہونے کی سوچ آہستہ آہستہ انسان جان رہا ہے کہ کیونکہ وہ خود اُس شعوری سطح کے قریب ہے۔ جہاں وہ یہ جان لے گا کہ انسان، اللہ تعالیٰ کے مادی کارکن ہیں اور قریب قریب ان کا کردار بھی فرشتوں جیسا ہے۔ فرق وہی ازلی وابدی ہے کہ فرشتوں کی نوری مخلوق محض حکمِ الٰہی کی پابند ہے۔ انحراف ممکن نہیں ہے جبکہ انسان میں ماننے اور نہ ماننے کا حسین امتزاج ہے اور یہی خدا کی شان ہے اور یہی خدا کو پسند ہے۔ ورنہ اس کی ضرورت ہی کب تھی؟ سابقہ کتب الٰہی، معلوم و نامعلوم اور رفتارِ زمانہ سے کم و بیش سب کی سب وحی الٰہی اور صحیفہ الٰہی ہونے میں کامل یقین مسلمانوں کے ایمان کا لازمی حصہ قرار دیا گیا تاکہ انسان کی ماضی کی جدوجہد کو سند جواز ملے اور یہ قرار پائے کہ مقصدی جدوجہد پہلے بھی انسانوں نے انبیاء کی رہبری میں کی ہے اور خاتم النبین ﷺ کی آمد اور نزولِ قرآن حکیم کے بعد اب یہ مقصدی جدوجہد زیادہ فیصلہ کن اور شعوری مرحلے میں داخل ہوگئی ہے اور یہ آخری دستاویز ایک مکمل دستور العمل کے طور پر انسان کے آخری لمحوں تک کفایت کرے گی۔ تمام سابقہ رسولوں پر ایمان اُسی طرح لازمی قرار دیا گیا جیسے سابقہ کتب الٰہی پر اور آپ ﷺ پر۔ انسانیت کو ساتھ لے کر چلنے کی یہ بڑی کلید ہے۔ یومِ آخرت، کاتب تقدیر اور نیکی بدی کے موضوعات الگ سے تفصیل مانگتے ہیں۔ یہ آج اکیسویں صدی میں بھی اُسی طرح عقلی و سائنسی سطح پر زیر بحث ہیں جیسے آغازِ اسلام بلکہ آغازِ انسان کے موقع پر تھے۔ یہ انسانی مقصدیت کے حصول کے لئے زادِ راہ اور محرکات کے طور پر کام آتے ہیں۔

نبوتِ محمد ﷺ کی تکمیلی شان یہی ہے کہ وہ انسان کی داخلی ضرورت و تکمیل کو ہر دم مدِ نظر رکھتی ہے اور خارجی و معروضی حالات کے لیے ہر دم تیار رہنے کا احساس زندہ رکھتی ہے۔ ساتویں صدی عیسوی

Marfat.com

یا پہلی صدی ہجری سے لے کر اکیسویں صدی عیسوی یا پندرہویں صدی ہجری تک کوئی لمحہ، کوئی دن، کوئی سال اور کوئی صدی ایسی نہیں گزری جس میں تعلیمات نبوی ﷺ کی تازگی یا اہمیت کم ہوئی ہو۔ جو انسان اچھی داخلی وخارجی تیاری سے میدان زندگی میں قدم رکھتا ہے، زیادہ اطمینان سے زندگی میں آگے بڑھتا ہے۔ آج اگر انسان کی تیز رفتار زندگی میں فقدان ہے تو اطمینان اور خوشی کا ۔ داخلی تیاری ہو تو اطمینان وخوشی دیرپا ہوتی ہے اور خارجی تیاری میں اطمینان دیرپا نہیں ہوتا ہے۔ اسی لیے ہمارا دعویٰ ہے کہ جو محمد مصطفیٰ ﷺ سے آج بھی کسی سطح پر رابطہ کرے گا وہ بھرپور زندگی گزارتے ہوئے اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوگا اور یہ یقینی بات ہے۔ انبیاء کا مقصد انسان کو تیار کرنا ہے۔ انسان تیار ہو کر زندگی کے کسی پیشے سے وابستہ ہو کر اپنا حصہ ادا کرتا ہے، اس کا تعین انبیاء کے ذمہ نہیں ہوتا۔ یہ خدا کے ذمہ ہے یا اُس انسان کے ذمہ۔ انبیاء کے مقاصد اور فرائض کا دائرہ وحی کے ذریعے انسان کو باشعور بنانا ہے۔ تاکہ وہ دنیا میں اپنے حصے کی ذمہ داری احسن طریقہ سے پوری کر سکے۔ انشاء اللہ!

حواشی

۱۔ جی۔ ایف، سٹاوٹ، بنیاد نفسیات، ترجمہ، احسان احمد، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۴۵ء ص ۲۰

۲۔ جیمس وارڈ، نفسیاتی اصول ''ترجمہ۔ مولوی معتضد ولی الرحمٰن، حیدرآباد دکن ۱۹۳۱ء ص ۳۹

۳۔ اسٹاوٹ ''بنیاد نفسیات'' ص ۴۲

۴۔ برٹرینڈ رسل ''تجزیہ نفس'' ترجمہ شجاعت حسین بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور۔ ۱۹۶۳ء ص ۶۱

۵۔ اسٹاوٹ، بنیاد نفسیات، ص ۱۱۲

۶۔ برٹرینڈ رسل، تجزیہ نفس، ص ۲۶۱

۷۔ ایضاً، ص ۲۶۷

۸۔ اسٹاوٹ، بنیاد نفسیات، ص ۲۲۸

۹۔ ولیم میکڈوگل، اساس نفسیات، ترجمہ معتضد ولی الرحمٰن، جامعہ عثمانیہ دکن، ۱۹۳۲ء، ص ۴۲۲، میکڈوگل نے جذبہ پر اس باب میں تفصیلی بحث کی ہے۔

۱۰۔ ولیم میکڈوگل (بحوالہ)، ص ۴۳۹

۱۱۔ برٹرینڈ رسل، تجزیہ نفس، ص ۳۲۳

Marfat.com

۱۲۔ اشاوٹ، بنیادنفسیات، ص۲۴۷

۱۳۔ ولیم جیمس، اصول نفسیات، جلدسوم، ترجمہ احسان احمد، جامعہ عثمانیہ حیدرآباددکن۱۹۴۰ء، ص۳۰۹

۱۴۔ اشاوٹ، بنیادنفسیات، ص۲۵۶

۱۵۔ جیمس وارڈ، نفسیاتی اصول، ص۴۷۶

۱۶۔ ایضاً، ص۴۹۰

۱۷۔ برٹرینڈرسل، تجزیہ نفس، ص۲۶۸

۱۸۔ ایضاً، ص۲۸۸

۱۹۔ ولیم میکڈوگل، اساس نفسیات، ص۴۹۵، ۵۱۰

۲۰۔ اس سوال کا تفصیلی جواب علامہ محمد اقبال نے ''خطبات'' میں کئی جگہوں پر دیا ہے۔ ص:۱۹ تا ۱۹۴ سے اقتباس اسی تحریر میں ابتدائی مقالہ میں دیا ہے۔

۲۱۔ پاولسن، مقدمہ ومسائل فلسفہ، سٹی بک پوائنٹ کراچی، ص۲۰۸

۲۲۔ ضیاءالدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص:۱۲ تا ۱۶ بحوالہ ''دربار دھلی''، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۲۳۔ صحیح مسلم، باب الایمان

۲۴۔ امام غزالیؒ کیمیائے سعادت، (حصہ دوم)، ترجمہ: نائب نقوی، شیخ غلام علی لاہور، ص۱۳۹

۲۵۔ شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ، ترجمہ: محمد عبدالحق، قصرالحکمت لاہور، ص۱۰۱

۲۶۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیﷺ، جلد چہارم، ناشران: قرآن، لاہور۔۱۹۷۵ء، ص۴۵۱

۲۷۔ چارلس ڈارون کی بائیوگرافی جو اُس کے لڑکے نے لکھی۔ اُردو ترجمہ بھی میسر ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی کتاب ''قرآن اور علمِ جدید'' اور راقم کی کتاب ''مطالعہ قرآن کی نئی جہتیں''، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۲۸۔ امام غزالیؒ، کیمیائے سعادت، باب۲، ص ۸۲

Marfat.com

6

نبوتِ محمد ﷺ، سماجی تربیت
کے تعینات اور عصری بے اطمینانی

محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبین اور تکمیل النبین ہیں۔ آپ ﷺ نے چھٹی صدی عیسوی میں آکر بے اطمینان انسان کو اطمینان حاصل کرنے کی رہبری کی۔ یہی فریضہ نبوت تھا۔ فریضہ نبوی بذریعہ انسان آگے بڑھتا رہا اور آج اکیسویں صدی میں داخل ہوا۔ انسان کائناتی شعور کی بلندیوں پر پہنچ گیا ہے، یہی کارِ نبوت ہے۔ لیکن سفر ابھی باقی ہے۔ مادی تسخیر کی یک طرفہ کامیاب جدو جہد نے عقلی و سائنسی بنیادوں پر جس نئی معاشرت و تمدن کو جنم دیا ہے، اُس میں بے اطمینانی نے شدت سے جنم لیا ہے۔ ایک طرف انسان تمدن کی کئی سیڑھیاں اوپر چڑھ گیا اور لگتا ہے کہ اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کے بہت قریب ہے مگر اس کے ساتھ وہ اطمینان کی کئی سیڑھیاں نیچے آگیا ہے۔ اگر یہی آرزوئیں اور تمنائیں ہی انسان کی منزل تھیں تو اتنے قریب آکر اطمینان میں اضافہ ہونا چاہیے۔ اُسے مسرور ہونا چاہیے۔ ایسا ہوا نہیں ہے تو دو سوال پیدا ہوتے ہیں کہ یا تو یہ آرزوئیں اور تمنائیں وہ نہیں جن کے پیچھے انسان چل رہا ہے یا پھر اُس نے اپنے اطمینان کے نظام اور لائحہ عمل کو جوڑ کر نہیں رکھا۔ انسان کی تمنا باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی ہے۔ اس لئے بھی کہ باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی تمنا اور جدو جہد انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ آخری چند صدیوں میں انسان اطمینان کو وقت کی تیز مادی رفتار کے ساتھ برقرار نہیں رکھ سکا۔ اور مادی تیزی میں وہ

Marfat.com

روحانی پہلونظر انداز کر گیا۔ مذہبی استحصال اور جبر کو مادیت نے للکارا اور فتح حاصل کی جبکہ روحانی پہلو کی نگہداری مذہب کے پاس تھی جو شکست کھا گیا۔ مذہب ایک قادرِ مطلق کا اوّل دن سے دعویدار رہا ہے۔ مادیت نے پہلے پہل اسے چیلنج کیا۔ رفتہ رفتہ مادیت کی راہ سے بھی وہ قادرِ مطلق کو تسلیم کرنے پر آ گیا ہے۔ لیکن ابھی اُسے یہ سمجھنا درکار ہے کہ اطمینان کی راہ قادرِ مطلق سے وابستگی ہے۔ قادرِ مطلق سے وابستگی وروحانی پہلو جہاں اطمینان کی ضمانت ہے وہاں یہ انسان کی مادی ترقی کو بھی سند جواز بخشتا ہے۔

اکیسویں صدی میں ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان کو باور کرایا جائے کہ جو مذہب بھی استحصال و جبر کا موَجب بنا، وہ انسانوں کے تسلط کے تحت ہی بنا اور اب اگر، انسان مادی استحصال کی راہوں پر چل پڑا ہے تو یہ جرم بھی تو انسان کے ذمہ ہی ہے۔ اطمینان پہلے بھی چھین لیا گیا اور اطمینان اب بھی باقی نہیں رہا تو پھر سوال پیدا ہو جائے گا کہ انسان کو آخر ملا کیا؟ کم از سکون واطمینان کے معاملے میں تو انسان جہاں سے چلا تھا، وہیں دوبارہ آ گیا ہے۔

ایسا نہیں ہے۔ انسان کو اکیسویں صدی میں محض اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنی ہوگی۔ وہ بہت تیزی میں تھا اور روحانی پہلو کو نظر انداز کر کے مادی مقاصد کے لیے آمادہ جدو جہد رہا۔ اب انسانی بے اطمینانی اُس کی رفتارِ ترقی میں سُستی کا سبب بن رہی ہے۔ یہاں حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ دوبارہ اُس استحصال اور جبری مذہب کو چھیڑا جائے، وہ قصہ ماضی ہے مگر خدا اور روحانیت کبھی بھی قصہ ماضی نہیں ہو سکتے۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ کئی صدیوں سے اسلام بھی استحصال اور جبری انداز میں ڈھال دیا گیا لیکن محمد مصطفےٰ ﷺ کسی خصوصی قوم کے رہبر و پیغمبر نہ تھے بلکہ پوری انسانیت کے رہبرِ کامل تھے۔ دوسرا وہ سلسلہ انبیاء و مذاہب کے تکمیلی کردار کے طور پر ایک مضبوط کردار کے طور پر زندہ و برقرار ہیں۔ تیسرا ختم نبوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ فریضہ نبوت اب انسان کے ذمہ آ گیا ہے۔ چوتھا قرآنِ حکیم کو محفوظ طریقے سے اکیسویں صدی کے انسان کے ہاتھوں میں تھما دیا گیا ہے۔ پانچویں محمد مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کے معجزانہ نمونے آج بھی انسان کے لیے یقین واطمینان کا باعث ہیں۔ چھٹا یورپ کے علمِ جدید کے جدید بنیادی اصولِ ارتقاء کے تحت بھی آخری نبوت محمد ﷺ پر آ کر مکمل ہوتی ہے۔ گویا سلسلہ انبیاء میں ارتقاء کی یہ آخری و مکمل کڑی ہے۔ ساتویں یہ کہ ارتقاء کی اگلی کڑی بسلسلہ کارِ نبوت

Marfat.com

انسان کو قرار دے کر تمام مادی و روحانی حکمتِ عملی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ مادی طور پر آگے بڑھتے رہنے اور روحانی پہلو کو مضبوط کرتے ہوئے انسان کو اطمینان کی دولت سے مالا مال کرنے کے لیے اوپر مذکورہ پہلو پر توجہ مبذول کرنا اور توجہ مبذول کرانے کی ضرورت ہے۔

سماجی تربیت کے تعینات:

سوال یہ ہے کہ محمد ﷺ نے انسان کو مادی و روحانی طرز کی جو تربیت کی تھی وہ کیا آج بھی ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے انسان کی جو سماجی تربیت کی تھی، وہ کیا آج بھی ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے انسانیت کے جو مقاصد متعین فرمائے تھے، آج کی دنیا میں یعنی اکیسویں صدی میں وہ کیسے مؤثر ہیں؟ اکیسویں صدی کے انسان کی ضرورت اور ساتویں صدی کے انسان کی ضرورت میں کوئی فرق پیدا ہوا ہے؟ آپ ﷺ دوبارہ براہِ راست اور پوری طرح اکیسویں صدی کے انسان کی رہبری کیسے فرما سکتے ہیں کیوں کہ، انسان تو مذہب، نبوت، سائنس اور عقل کی حدوں سے بہت آگے نکل گیا ہے؟ ایسے سوالات بہت ہیں ہمیں آج کے انسان، اُس کی مادی ضرورتوں، اُس کے ذہنی اطمینان کو غور و فکر بنانا ہے۔ خاتم النبین محمد رسول ﷺ نے جو لائحہ عمل دیا تھا، اُس وقت کے انسان کو اُس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی اور ترغیب دی، اُس سماجی تربیت کے نتائج کس قدر مفید تھے اور آج یہ لائحہ عمل کہاں تک تجویز کیا جا سکتا ہے اور اس کے نتائج کی ضمانت کس قدر ممکن ہے؟

آگے بڑھنے سے قبل اس بات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ اگر آج انسان مذہب، نبوت، سائنس اور عقل کی حدوں سے آگے نکل رہا ہے تو یہ سب کامیابیاں شعورِ نبوت، اسوہ محمد ﷺ اور قرآن مجید میں پنہاں تھیں۔ سماجی ارتقاء کے ہر موڑ پر شعورِ نبوت نے انسان کی رہبری کی اور آج انسان بلند سے بلند تر ہو رہا ہے تو یہی منشاء الٰہی ہے۔ مذہب، نبوت، سائنس اور عقل نے منشاء الٰہی کے عین مطابق انسان کی معاونت کی ہے۔ قرآن کی درج ذیل آیت اسی طرح کی انسانی بلندیوں کی طرف سے اشارہ کر رہی ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (سورۃ حم السجدہ ۴۱:۵۳)

ترجمہ: عنقریب ہم ان کو نفس انسانی کے اندر اور خارج دنیا میں اپنے نشانات دکھائیں گے (یعنی ان کو نفسیات،

Marfat.com

طبیعات اور حیاتیات کے بعض حقائق سے آشنا کریں گے) حتیٰ کہ ان پر ثابت ہو جائے گا کہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے۔

سماجی تربیت انفرادی و اجتماعی سطح پر ایک منظّم، طاقت ور اور محرک معاشرے کی پہلی اور مؤثر شرط ہے۔ یہی اجزاءِ کل بھی مؤثر تھے اور آج بھی کارگر ہیں۔ تربیت ایسی کہ:

- سمت ایک ہو۔
- مقصد ایک ہو۔
- نصب العین ایک ہو۔

اور پھر:۔

- وہ بے شک کسی قبیلے سے تعلق رکھتا ہو۔
- وہ کسی غریب یا امیر طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔
- وہ مرد ہو، عورت ہو، بچہ ہو، ضعیف ہو۔
- وہ گورا ہو، کالا ہو، گندمی رنگ کا ہو۔
- پیشہ یا ذریعہ روزگار کوئی ہو۔
- زبان کوئی ہو۔
- عرب کا ہو، افریقہ کا ہو، یورپ کا ہو، ہندوستان کا ہو، چین و جاپان کا ہو۔
- خطہ کوئی ہو، پہاڑی ہو، میدانی ہو، صحرائی ہو، برفانی ہو۔
- جنم مٹی کوئی ہو، وطن کوئی ہو۔
- نبی کوئی ہو، صحیفہ کوئی ہو، مذہب کوئی ہو۔(۱)

محمد مصطفیٰ ﷺ نے انسانوں کی ہر حیثیت کو مدِ نظر رکھا اور سماجی تربیت کی داغ بیل رکھی۔ ایک سمت، ایک مقصد اور ایک نصب العین کو ایمان اور عقیدہ سے تصوری، قلبی، فکری، علمی اور یقینی دلائل کے ساتھ جوڑا ہے تا کہ انسان ہر حیثیت میں اسی کو مدِ نظر رکھے۔ اسلام میں اسے ایمانیات کے تحت بیان کیا ہے۔ کلمہ شہادت، فرشتوں، کتابوں، نبیوں اور آخرت کے تحت ان پانچ بنیادی عقائد کو تسلیم کرنے کی شرط رکھی ہے۔ کم و بیش ملتا جلتا نظام عقائد ہر معاشرے اور ہر انسان کا ماضی میں بھی رہا ہے۔ نبوت آخر و نبوتِ کامل نے اسے زیادہ نظم سے سامنے رکھا ہے۔ گزشتہ مقالہ اسی عنوان پر تھا۔

Marfat.com

اب عقائد اور ایمان کا اگلا درجہ ہے۔ اس درجہ پر انسان کی تربیتی تنظیم کو ایمانیات و عقائد سے منسلک کیا گیا ہے۔ عقائد اور ایمان بنیادی طور پر انسان کی داخلی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا درجہ ارکانیات کا ہے۔ ارکانیات داخلی عقائد و کیفیات کو پختہ کرنے کا عمل ہے:۔

حدیث جبرئیل کے پہلے حصہ میں ''اسلام'' کی تعریف:۔

''اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر وہاں جانے کی استطاعت ہو تو حج کرو۔''(۲)

یہ پانچوں ارکانِ اسلام توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج کے سلسلہ عبادت سے متعلق ہیں۔ عبادات کا نظام ہر مذہب، ہر قوم اور اُس کے ماننے والوں میں رہا ہے۔ خاتم النبین ﷺ نے عبادات کے اس نظام کو انسان کے داخلی عقیدے اور ایمان کی پختگی کے ساتھ جوڑ کر ایک جدید تنظیم دی اور نتائج کی باقاعدہ نشاندہی کی۔

اسلام کے ان اراکین کی بجا آوری میں اس قدر طاقت و محرکات اور نتائج رکھے گئے ہیں۔ جو ہر دور، ہر سماج اور ہر شخص کی تربیت کا زبردست نظام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ اراکین ہمہ وقت داخلی طور پر انسان کے عقیدے، ایمان اور ذہنی ترقی کے عمل کو دلیل، طاقت اور تصدیق بخشتے ہیں۔ خارجی طور پر ٹھیک اُسی طاقت و جذبے سے انسان کو محرکات، عملی کارکردگی، اخلاقیات اور انسان دوستی کے لیے آمادہ جدوجہد رکھنے کا سبق دیتے ہیں۔ ان میں ایک مثالی سماج تشکیل پانے کی طاقت رکھی گئی ہے۔ ان میں ایک خاص قسم کی حکمت کارفرما ہے جس کے دو رُخ ہیں:۔

اوّل: ایمان کو ہر دم تازہ رکھنے، اُس کو تقویت دینے اور بطور انسانی نصب العین کے برقرار رکھنے کے لیے، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد لازمی اجزاء ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انسان کے داخلی نظام کو ایک خدا یعنی توحید سے روحانی طور پر طاقت بخشتا ہے۔

دوم: دنیا انسان کی عمل گاہ اور امتحان گاہ ہے۔ وہ دنیا میں آکر، رہ کر نظامِ دنیا کو قائم رکھنے اور آباد رکھنے میں اُسے ہر حالت میں اپنے حصے کا کردار ادا کرنا ہے۔ یہ توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد ہر دم اُسے درست نصب العین پر کاربند رہنے اور درست کردار ادا کرنے پر طاقت بخشتے ہیں۔

Marfat.com

گزشتہ مقالہ میں بھی توحید پر بات ہوئی ہے۔ بیان اس جہت سے مقصود ہے کہ ایک انسان جب کسی معاشرے، کسی قوم یا دنیا کے کسی علاقے میں شامل ہوتا ہے یا داخل ہوتا ہے اور اپنے کردار و عمل کو مثالی طور پر پیش کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔ وہ کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے۔ معاملات کرتا ہے۔ تو اُس کے بود و باش، اندازِ گفتگو، اخلاق و معاملات کا ایک نقشہ ہوگا۔ وہ نقشہ بنتا ہے تو وہ مسلمان بنتا ہے اور دوسروں سے مثالی رویے کی بنا پر انسان بنتا ہے تو چند امور اُس کے ذہن و دل پر یقیناً نقش ہوں گے یہ دراصل توحید کے لوازمات و مضمرات اور افکار و اعمال ہوں گے:۔

- ایک خدا ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔
- سب کو ایک جان سے پیدا کیا ہے۔
- روحِ انسانی امرِ ربی ہے۔
- انسان کے اندر روح خدا نے خود پھونکی ہے۔
- یوں خدا کے سواء عبادت کا تصور ممکن نہ ہے۔
- تقدیر کا مالک خدا ہے۔
- رزق کا مالک خدا ہے۔
- زندگی کا مالک خدا ہے۔
- موت کا اختیار خدا کا ہے۔
- حقوق العباد میں کوتاہی قابل معافی نہیں ہے۔
- نفرت نہیں، محبت ہر دم، ہر سو مطلوب ہے۔
- گویا قادرِ مطلق خدا ہی ہے۔(۳)

انسان کے قلب و ذہن کا یہ اور اسی طرح کے کئی دوسرے نکات اُس کا سرمایہ ہیں۔

انسان اسی سرمایہ کے تحت جب عمل گاہ دنیا میں خریدار بن کر نکلتا ہے تو بہکتا بھی نہیں اور نقصان بھی نہیں اُٹھاتا۔ روحانی طرز کے تصورات و خیالات کو اپنی ذات کے اوپر طاری کر کے مادی دنیا کے شب و روز گزارنے والا انسان وہ تمام فرائض و حقوق پورے نظم و سلیقے سے ادا کر سکتا ہے جو خدا کو

Marfat.com

مطلوب ہیں۔ خدا کا مطلوب دنیا سے کنارہ کشی تو ہے نہیں اور خدا کو بُھلا کر دنیا میں ڈوب جانا بھی نہیں ہے کیوں کہ اس طرح مقصدی تعینات اور اُس پر کار بند رہنے میں خلل آجاتا ہے جو خدا کو نہ پسند ہے اور نہ مطلوب ہے۔

سماجی تربیت میں توحید ہی اوّل و آخر انسان کی تمام سرگرمیوں کا محور رہا ہے۔ قبل ازیں اسلام بھی دنیا میں انبیاء کے اثرات کا کچھ نہ کچھ اور کہیں نہ کہیں نتیجہ تھا۔ خدا معلوم تھا، توحیدی تصورات کے تحت نہ تھا جن کی آپ ﷺ نے تکمیل کی۔ یہی تصورات کسی نہ کسی شکل میں سماجی ارتقاء میں شامل رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے دیئے ہوئے تصورِ توحید کو کوئی جھٹلا نہیں سکا اور اب دنیا اسلام کے تصورِ توحید کو ایک ثابت شدہ دلیل قرار دیتی ہے۔

اکیسویں صدی کا انسان جب بھی ساری انسانیت کے ایک مقصدی نصب العین کو طے کرنے کی سعی کرے گا تو ساری انسانیت کے لیے توحید ہی آفاقی دستور کا اصولِ اوّل قرار پائے گا۔ توحید کے تحت خدا کو اپنے یا اسرارِ کائنات کو بے نقاب کرنے یا کائنات کو مسخر کرنے یا انسان کو جستجو کے لیے نت نئے افکار و ہتھیار فراہم کرنے کا حق و اختیار ہے کہ وہ جیسے چاہے، آگے بڑھے۔ گزشتہ صدیوں میں ایسے ہی ہوا ہے۔ انسان آگے بڑھا ہے۔ انسان نے بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔ مختلف قومیں، مختلف محازوں پر آگے بڑھی ہیں۔ انسان کے آگے بڑھنے کی بلاشک و شبہ صلاحیت میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ مادی دنیا کی تسخیر کی سائنسی ابتداء مسلمانوں نے کی تھی۔ اس میں ترقی یورپ کے عیسائی و یہودی مذاہب سے تعلق رکھنے والے بڑے انسانوں کی مرہونِ منت ہے۔ اُن کے مذہبی تعلق کی نشاندہی کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی سماجی تربیت کے پس منظر میں مذہب ہی ایک طاقت ور محرک تھا اور تصورِ خدا موجود تھا۔ لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ، یورپ کے حکماء و سائنسدانوں اور سیاست دانوں نے پادری کے مذہب اور پادری کے خدا کو سماجی تربیت اور انسان کے مقصدی فرائض میں رکاوٹ قرار دے کر مسترد کر دیا۔ مذہب اور خدا کا باب کچھ عرصہ کے لیے بند کر دیا، پادریوں کو گرجا گھروں میں بند کر دیا اور مادی دنیا کی تسخیر میں مشغول ہو گئے اور دنیا نے دیکھا کہ پہلی دنیا سے نئی دنیا ظہور پذیر ہوئی۔

انسان اب اکیسویں صدی میں داخل ہو گیا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ آگے کے لیے اُسے پھر

Marfat.com

تیاری کرنی ہے۔ خدا کے علاوہ کوئی راہنمائی ممکن نہ ہے، یہ اکیسویں صدی کے انسان کو علم ہے۔ وہ خدا سے پھر کچھ دریافت کرنے پر تیار بیٹھا ہے۔ اُسے نئی صدی کو انسان کے لیے زیادہ پُرسکون بنانا ہے۔ زیادہ اطمینان مہیا کرنا ہے۔ زندگی، عزت اور مال کو زیادہ محفوظ بنانا ہے۔ خوف وغم سے پاک کرنا ہے۔ ایسے میں راہنمائی خدا نے ہی دینی ہے۔ خدا کی ہدایت کا ایک راستہ تو براہِ راست انسان کی راہنمائی کا کھُلا ہے مگر جو عمل تاریخ کی گزرگاہوں سے اکیسویں صدی میں پہنچا ہے وہ بھی بہت کچھ آگے لایا ہے۔ اس میں تصورِ مذہب اور اُس کے تحت ایک قادر مطلق کا تصور ہے۔ تمام مذاہب پوری دنیا کے انسانوں کے لیے قابلِ احترام ہیں۔ سماجی تربیت میں مقصد اور عبادت تمام مذاہب کا سرمایہ ہے۔ لیکن خاتم النبین ﷺ کا تصور قادرِ مطلق دنیا کے ہر علم کی ہر جہت سے دلیل وتصدیق پر پورا اُترا ہے۔ دین اسلام مذاہب ہی کا ایک ارتقاء ہے۔ تصورِ توحید، سابقہ تصوراتِ خدا ہی کا برہانی اور تکمیلی تصور ہے۔ خاتم النبین ﷺ بھی تمام انبیاء کا تسلسل ہیں۔ اس لیے اکیسویں صدی میں انسان نے جو بھی مادی وروحانی لائحہ عمل مرتب کرنا ہے وہ آپ ﷺ کا لائحہ عمل ہے۔ گو اسلام میں موجودہ طرز کی مادی وروحانی الگ الگ تقسیم نہیں ہے۔ اسلام جہاں جہاں روحانی تصورات پر زور دیتا ہے۔ وہ دراصل عمل گاہ دنیا میں آگے بڑھنے کے لیے سماجی تربیت کے اصولوں کے طور پر بیان کرتا ہے۔ پہلا اصول توحید ہے جو ذہنی، تصوری اور ایمانی بھی ہے مگر انسان کی حرکات وسکنات اور رویے کی بنا پر عملی بھی ہے۔ اس تصور کی پختگی، سماجی تربیت پر زور اور مقصدی نصب العین کے ساتھ سختی سے جُڑے رہنے کے لیے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد پر زور دیا ہے۔

نماز۔ عبادات اور منزلوں کا پتہ دیتی ہے:

نماز انسان کا خارج میں عمل ہے جو داخل کو قوت بخشتی ہے۔ نماز کا خارج میں عمل اضافی طور پر سماجی تربیت کے بنیادی نظم کو استوار کرتا ہے۔ ہر مذہب میں عبادت گاہ کا ایک کلیدی رول ہے جو اُن کے معاشرے کا ایک نقشہ بناتی ہے۔ اسلام میں مسجد پورے معاشرے کی تربیت، تعمیر اور ترقی کی بنیاد ہے۔ معاشرہ انسانوں کے اچھے تال میل سے جنم لیتا ہے اور مسجد اس کا ایک ذریعہ ہے جبکہ دوسروں کے لیے اُن کی عبادت گاہیں یہ موقع فراہم کرتی ہیں۔

Marfat.com

روحانی لحاظ سے نماز کے حیران کن اثرات ہیں۔ اب مسلمان جو نماز کا پابند نہیں ہے یا غیر مسلم اپنی عبادت کا پابند نہیں ہے، اُسے یہ دلیل سے سمجھانا آسان نہیں ہے۔ نماز ایک مخصوص عمل کا نام ہے یہ عمل تو خدا کے لیے کیا جاتا ہے مگر اس کی راہ گزر محمد رسول ﷺ ہیں۔ یہ اس قدر لذت آفریں عمل ہے کہ روحانیت سے لبالب بھرا ہے مگر عمل گاہ دنیا میں یقین کی انتہائی منزلوں کے ساتھ مسرت آمیز رنگ کے ساتھ انسان آگے بڑھتا ہے۔ دنیا سے کنارہ ہونے کا نماز میں کوئی پیغام نہیں ہے۔ یہ روحانیت دنیاوی دنیا میں خودداری کا درس دیتی ہے۔ نماز کی لذت آفرینی کا عمل چالیس دن کے بعد سامنے آنا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے نماز کی بہت تلقین کی اور خود بھی اس کا مکمل اہتمام رکھا۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، علماء، صوفیاء، حکماء نے اس کے اسرار اور فوائد کا مسلسل اور بے پناہ تذکرہ کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اکیسویں صدی میں کوئی معجزہ نما عمل داخل ہوا ہے تو وہ نماز ہے۔

نماز ایمان و یقین کی کنجی اور دلیل ہے۔ نماز عبادات کا جوہر ہے۔ نماز سماجی تربیت کا پہلا اور بنیادی اصول ہے۔ نماز تعمیر معاشرت کا ستون ہے۔ نماز عمل گاہ دنیا کا زادِ راہ ہے۔ اور نماز آخرت کی بھی زادِ راہ ہے۔ نماز انسان کی کامیابی کا راز ہے۔ نماز دین اسلام کا ستون ہے۔ نماز افضل ترین عبادت ہے۔ نماز جنت کی کنجی ہے۔ نماز وقت کا پیمانہ ہے۔ نماز خدا کا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔(۴) آپ ﷺ نے سورۃ الفاتحہ جو نماز اور دُعا کا حصہ ہے فرمایا کہ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے اور خدا فرماتا ہے کہ آدھی میرے لیے ہے اور آدھی میرے بندے کے لیے ہے۔(۵)

اکیسویں صدی، نماز اور دوسرے مذاہب:

اکیسویں صدی مادی ذہن کی صدی ہے۔ انسان کے پاس بظاہر فرصت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی روحانی معجزے کا کھوج لگائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ درست طریقے سے کائنات کی تسخیر میں لگا ہے اور یہی بڑی عبادت ہے۔ جدید انسان کے موقف سے اختلاف کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشک و شبہ یہ بھی عبادت کا رنگ ہے۔ جو بات نمایاں کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء سے زیادہ کسی نے بھی کائنات کی حقیقت کو نہیں کھولا اور خدا، کائنات اور انسان کے احوالِ حقیقت خاتم النبین ﷺ نے بیان کیے ہیں۔ وہ سب انبیاء کے کام کی تکمیل کے ساتھ قیامت تک کے لیے انسان کی راہنمائی کے اصول ہیں۔ جدید

Marfat.com

انسان اُسی حقیقت کو جزواً جزواً سمجھ رہا ہے اور انہیں بے نقاب کر رہا ہے۔ لیکن انبیاء نے انسان کی راہنمائی کو سیدھے راہ پر رکھنے کے لیے دنیاوی جستجو کے ساتھ روحانی جستجو کو بھی پورا وزن دیا ہے۔ ان میں نماز کو اوّلیت دی ہے۔ یہ سابقہ ادیان میں بھی تھی، طریق کار مختلف رہا ہے۔ شبلی نعمانی نے اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے کہ ابراہیمؑ کی شریعت اور اُن کے بعد اُن کی نسل سے آنے والے انبیاء میں نماز کے تین ارکان نمایاں رہے اور یہی اُمت کی نماز کا حصہ بھی بنے یعنی:۔

۔ قیام ۔ رکوع ۔ سجدہ

سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۲ کے مطابق آپ ﷺ کی بعثت کے بعد بھی یہودی، نصاریٰ اور دوسرے نماز پڑھتے تھے۔ تورات یا زبور کی آیات اُن میں تلاوت کرتے تھے اور سجدہ ادا کرتے تھے۔(۶)

اکیسویں صدی میں سیرت رسول ﷺ کے حوالے سے توحید اور نماز کی معجزانہ خصوصیات سائنسی تحقیق کے نئے میدان کے طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

روزہ - عبادت اور صحتِ جسمانی کا ضامن:

روزہ ایک عبادت ہے۔

روزہ سماجی تربیت کا انفرادی و شخصی پیمانہ ہے۔

روزہ جسمانی طہارت و فعالیت کا سبب ہے۔

روزہ باطنی سرگرمی و ترقی کا بہترین لائحہ عمل ہے۔

روزہ اکیسویں صدی میں بھی اپنی پوری روحانی قوت رکھتا ہے۔

روزہ عصر حاضر کے انسان کی بے اطمینانی کا سادہ علاج ہے۔

روزہ ہر مذہبی اور ہر قومی سماج کا حصہ رہا ہے۔

روزہ ایک عبادت ہے۔ عبادت انسانی جسم و باطنی قوت کی طہارت و فعالیت کا کام کرتی ہے۔ انسانی جسم کے اندر دو قوتیں قوانین خداوندی کے مطابق ہر وقت فعال اور نبرد آزما رہتی ہیں۔

۔ جسم انسانی کی جبلی قوت

۔ جسم انسانی میں ملکوتی قوت

Marfat.com

جبلی قوت کو بہیمیت کہا جاتا ہے۔ یہ حیوانی خصلت ہے جو جبلی طور پر ودیعت شدہ ہے۔ جسم کو کچھ کرنے کے محرکات فراہم کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مادی طرز کے افعال ہوتے ہیں۔ ملکوتی قوت کے مقاصد زیادہ تر روحانی بلندی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ انسانی روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پھونک اور اپنے امر سے جوڑ کر اس کی ملکوتی یا نورانی صلاحیت کو سند جواز بخشی ہے۔ گویا ایک جنگ ہے، ایک کشمکش ہے جو انسان کے جسم کے اندر بھی برپا رہتی ہے اور پھر سماج میں جاری رہتی ہے۔ اسی کو نیکی و بدی مسلم ادب میں اور خیر و شر فلسفیانہ یا علمِ جدید کے موضوعات ہیں۔ یہ ساری علتیں انسان کی ہیں اس لیے تمام مذاہب و انبیاء نے انسان کی جسمانی ترکیب کے مطابق اس سے بہتر افعال کے لیے بہتر راہنمائی کی ہے۔ اس راہنمائی کا ایک حصہ روزہ ہے۔ جس طرح کہ:۔

- خدا کسی نہ کسی طرح ماضی کے ہر انسان و قوم کے عقیدے کا حصہ رہا ہے۔
- ہر قوم میں نبی کی آمد ہوئی ہے۔
- نماز کسی نہ کسی صورت و انداز میں ہر نبی کے مذہب کا حصہ رہی ہے۔
- روزہ بھی اسی طرح عبادت کے طور پر ہر قوم میں موجود رہا ہے اور موجود ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا نے انسان کی تخلیق جس متنوع انداز میں کی۔ اسے خوبصورت بنایا۔ اسے بارادہ بنایا۔ اسے اپنی طرز پر بنایا مگر مادی مٹی سے بنایا اور نورانی پھونک ماردی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا کی اس متحرک تخلیق میں صلاحیتیں بھی بے انداز رکھی گئی ہیں۔ اوپر سے اس کے اندر ایسا خمیر اور مادہ بھی موجود ہے۔ جو شیطانی غرض کے لیے اُکسائے جانے کا سبب بنتا ہے۔ دوسرے طرف ایسا خمیر اور مادہ بھی ہے جو ملکوتی کمال کے نصب العین کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ داخلی و خارجی لڑائی انسان کے ساتھ سفر کرتی ہوئی اکیسویں صدی میں پوری شان کے ساتھ داخل ہوئی ہے اور عصری بے اطمینانی کا اس لئے سبب ہے کہ انسان نے آسودگی اور خوشحالی کی وجہ سے مادی و بہیمی آوازوں پر توجہ مبذول کردی ہے اور روحانی یا ملکوتی پہلو کو نظر انداز کیا تو نہ انسان متوازن رہا اور نہ سماج۔

مذہبِ اسلام کے بانی اور خدا کے آخری نبی و رسول ﷺ نے فرمایا:۔

''الصّوم جُنة'' (روزہ ڈھال ہے)

Marfat.com

روزہ ڈھال ہے:

- روزہ ڈھال ہے جبلی وحیوانی منہ زوری کے لیے جب وہ حملہ آور ہوتی ہیں اور وحشیانہ کام پر آمادہ کرتی ہیں۔
- روزہ ڈھال ہے جب انسان کی ملکوتی قوتیں کمزور ہو کر گرنے کو ہوتیں ہیں، روزہ سنبھال لیتا ہے۔
- روزہ ڈھال ہے۔اُن بیماریوں کے خلاف جو انسان کے جسم کے اندر غیر متوازن خوراک سے پیدا ہو جاتی ہیں۔
- روزہ ڈھال ہے۔شیطان کے تمام حملوں کا، جن کے لیے وہ ہر وقت تاک میں رہتا ہے۔

روزہ ہر قوم پر فرض رہا ہے:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبر دی کہ روزہ سب قوموں پر فرض رہا ہے۔ارشاد ہوا:۔

''مسلمانو! روزہ تم پر اسی طرح فرض ہوا جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔'' (سورۃ البقرہ:۲-۲۳)

انسائیکلو پیڈیا برٹیکا کے مقالہ نگار نے روزے کی تاریخ کو موضوع بنایا ہے۔شبلی نعمانی نے اُسی حوالے سے دوسری قوموں میں روزے کے بارے میں لکھا ہے کہ شائد ہی کوئی مذہب یا قوم ایسی ہو جس میں روزہ نہ ہو۔علاقائی وموسمی صورتیں اپنی جگہ ضرور متاثر کرتی ہیں مگر مذہبی فریضہ یا رسم کے طور پر یہ موجود رہا ہے۔قدیم مذہب ہندومت میں برت کے نام سے روزہ ہے۔ہر ہندی مہینے کی ۱۱،۱۲ تاریخ کو روزہ رکھا جاتا ہے اور یہ سال کے ۲۴ بنتے ہیں۔ہندوستان ہی کا ایک اور جینی مذہب میں چالیس دن کا روزہ ہے قدیم مصریوں کے ہاں روزہ مذہبی طور پر رکھا جاتا تھا۔یونان میں عورتیں اپنے جاری ماہ کی تین کو روزہ رکھتی تھیں۔پارسی مذہبی میں بھی روزہ تھا بلکہ اُن کے مذہبی پیشواؤں کا طویل روزہ رکھان ہوتا تھا۔یہودیوں میں فریضہ الٰہی کے طور پر روزہ موسیٰؑ کی پیروی میں رکھتے تھے جب وہ چالیس روز کوہِ طور پر کچھ کھائے پیئے رہے۔چالیسواں روزہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔عیسیٰؑ نے چالیس روز جنگل میں روزہ رکھا اور اپنے حواریوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ایک مقام پر حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا گیا کہ ہم پلید

Marfat.com

روحوں کو دور کیسے کریں تو فرمایا یہ جنس سوائے دُعا اور روزہ کے کسی اور طرح نہیں نکل سکتی۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی یہی حکم ہوا کہ روزہ رکھو۔ یہ جبلی وحیوانی منہ زوری کو قابو کرتا ہے۔

اسلام میں روزہ:

اسلام میں اسلامی تقوم یعنی قمری ماہ کے حساب سے رمضان میں روزے رکھے جاتے ہیں۔ یہ قمری حساب سے ۲۹ یا ۳۰ دن کے ہوتے ہیں۔ قمری تقویم میں ۳۵۵ دن ایک سال کے بنتے ہیں جبکہ شمسی سال میں یہ ۳۶۵ دن ہوتے ہیں۔ روزہ چاند دیکھ کر رکھا جاتا ہے اور ۲۹ ویں یا تیسویں کو چاند نظر آجائے تو روزہ کا اختتام ہوتا ہے۔ اس کا آغاز یعنی سحری صبح طلوع فجر سے پہلے اور افطاری سورج کے غروب کے ساتھ ہی ہو جاتی ہے۔ بہار وخزاں کی مناسبت سے ساری دنیا میں دن ایک مدت کا نہیں ہوتا۔ دنیا کی مواصلات نے ہر خطے کی صورت دوسرے خطوں تک پہنچا دی ہے۔ کہیں روزہ اگر ۹ گھنٹوں کا ہے تو کہیں ۲۲ گھنٹوں سے بھی تجاوز کرتا ہے۔ طویل روزہ بظاہر مشکل دکھائی دیتا ہے مگر گرم علاقوں کے مسلمان جون و جولائی میں روزے رکھتے ہیں۔ اس کا تعلق ایمان اور ارادے سے ہے۔ ایک حساب سے ۳۴ سال روزہ رکھنے کا مجموعی وقت ہے وہ برابر ہو جاتا ہے بے شک مسلمان دنیا کے کسی خطے میں رہے۔

اسلام میں روزہ فرض ہے۔ جسم کا قرض ہے اور روح کا حُسن ہے۔ حیوانیت کو روکتا ہے، روحانیت کو بڑھاتا ہے۔ توازن جب بہت خراب ہو جاتا ہے تو انسان بے اطمینان اور مضمحل ہو جاتا ہے۔ آج کے انسان کو اب یہ سمجھنا درکار ہے کہ جسمانی مشینری کے لیے خوراک، عورت، آرام، دوائیاں ہی کافی نہیں ہیں۔ روحانی دوائی بھی نفس انسانی کے لیے ضروری ہے۔

زکوٰۃ - امورِ مالیات میں سماجی تربیت:

محمد رسول ﷺ کا فریضہ نبوت، انبیاء سابقہ سے کئی طرح مختلف تھا مگر واضح طور پر دو مقاصد بہت نمایاں ہیں:۔

اوّل: ہدایتِ خداوندی کی صورت میں آخری و تکمیلی پیغام بصورتِ قرآن بآحسن طریقے سے انسانوں

Marfat.com

تک پہنچانا۔

دوم: ایک متحرک، منظّم اور نصب العینی سماج کی تشکیل کے عملی نمونہ کی بنیاد رکھنا۔

سماج کی بنیادی اکائی فرد اور خاندان کی ظاہری و باطنی تربیت ایک مقصد کو بطور نصب العین لے کر آگے بڑھنے سے متعلق ہے۔ فرد، کسی بھی معاشرے کا اصل سرمایہ ہے۔ یہ درست ہے تو خاندان درست و معزز ہوگا۔ خاندان کے درست و معزز ہونے سے معاشرہ مثالی ہوگا۔ متحرک ہوگا۔ مقصدی ہوگا۔ اس میں انسان کی نفسیات ہے۔ اُس کی جسمانی ترکیب ہے۔ اُس کی روحانی ہیت ہے۔ ظاہری اور باطنی تمام انسانی نفسیات، ترکیب اور ہیت کا خالق و مالک خدا ہے۔ خدا نے ہدایت بھی انہی حقائق کے مطابق دی ہے۔ اس میں اوّلیں ایمان اور کے عقائدی لوازمات ہیں اور پھر اُن کو تقویت دینے کے لیے ارکانیات ہیں جن میں سے زکوٰۃ ہے۔

زکوٰۃ بظاہر مالی امور سے متعلق ہے۔ جدید دنیا اور جدید علم میں مالی امور قطعی مادی قصہ ہے۔ جسمانی بود و باش اور اچھی فعالیت سے متعلق ہے۔ جدید مادی دنیا نے یہاں دھوکہ کھایا ہے۔ دھوکہ اس طرح کھایا کہ مال کو محض آسودگی کے لیے رکھ چھوڑا اور آسودگی ممکن بھی ہوئی مگر باطنی آسودگی نہ ہوئی اور انسان کی ظاہری آسودگی بھی اُس کی باطنی بے اطمینانی کو اطمینان نہ دے سکی۔ اسلام کے اندر زکوٰۃ کا نقطہ کمال یہ ہے کہ آسودہ حال، اپنی آسودگی کے باطنی پہلو کے حصول کے لیے زکوٰۃ دے۔ باطنی آسودگی اور اطمینان کا تعلق فرد کی بہیمت یا حیوانیت کو اعتدال پر رکھنے سے ہے اور صفت ملکوتی کو بڑھانے سے ہیں۔ صفتِ بہیمیت جتنی اعتدال سے اوپر جائے گی یعنی محض اور محض مادی طلب کو پروان چڑھایا جائے گا تو ملکوتی یا روحانی پہلو تشنہ رہ جائے گا۔ بے اطمینانی بڑھے گی۔ نفسانفسی ہوگی تو فرد اور معاشرہ ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں گے۔

زکوٰۃ مالی اعتبار سے فرد کی جہاں ظاہری تربیت سے تعلق رکھتی ہے، وہیں اس کے باطنی کمالات ہیں۔ مالی کمائی میں با قاعدہ ہدایت ہے کہ:۔

- کمائی میں حلال و حرام کی تمیز رکھنا جزو ایمان ہے۔ حلال کمائی بے اطمینانی کا باعث نہیں بنے گی۔ اس کی قدم قدم پر راہنمائی کی گئی ہے۔

Marfat.com

- حلال کمائی ایک مخصوص حد اور مخصوص مدت تک اضافی ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ ادا کر کے اُسے دوبارہ جائز کرنے کا حکم ہے۔
- حلال کما کر ایک حد اور ایک مدت بعد دوبارہ حلال کرنے کی یہ حکمت دوررس فوائد کی حامل ہے۔
- زکوٰۃ ایک مالی اصول ہے جو براہ راست حقوق اللہ (روحانیت) اور حقوق العباد (مالی امداد) سے جوڑا گیا ہے۔
- زکوٰۃ ایک اصولِ محبت بھی ہے جو دوسروں کی امداد کرنے سے پروان چڑھتی ہے۔
- زکوٰۃ ریاست کے خزانہ کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ بیت المال میں اور نماز مسجد میں قائم ہوتی ہیں۔

ٹیکس اور زکوٰۃ:

ٹیکس علمِ جدید کی اصطلاح ہے۔ غیر مسلم ممالک میں ریاست اسے نافذ کرتی ہے۔ یورپی ممالک میں ٹیکس کا نظام خاصا منظّم صورت اختیار کر چکا ہے۔ ٹیکس مسلم ممالک میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی وصول کیا جاتا ہے۔ عصرِ جدید میں ٹیکس کے مغربی نظام اور اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کو ہم نے جوڑ کر جدید اصول و نظامِ معیشت کے تحت ہم نے جائزہ نہیں لیا ہے۔ خاندان، قبیلہ اور ریاستیں چلانے کے لیے یا دوسرے لفظوں میں معاہدہ عمرانی کے دوطرفہ فرائض میں کچھ مالی تعاون کا معاہدہ ہوتا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے جب باقاعدہ مدینہ منورہ میں ریاست قائم کی یہ تحریری دستور کے تحت دنیا کی پہلی ریاست کہی جا سکتی ہے اس کے باوجود اس کے محرک رسول ﷺ اور مقامی آبادی کافی حد تک مسلمان ہو چکی تھی، انسان کو دستور کا محور بنایا، انسان کو ریاست کا مرکز قرار دیا۔ مرضی (بیعت) کو ضروری ٹھہرایا۔ تمام فریقین کو بڑے مقصد (جان، مال، آبرو کی حفاظت) کے لئے متحد کیا ہر طرح کے امتیاز کی نفی کی۔ مذہب، رنگ، زبان، قبیلہ، خاندان کسی طرح کے امتیاز کو اوّلیت نہیں دی۔ یہ انسان کے ایک ہو کر رہنے اور آگے بڑھنے کا ایک مثالی نمونہ و سبق تھا۔ مغرب کے علمِ جدید نے اسی اصول کی پیروی کی اور اسے انگریزی میں ''سیکولر'' کہا اور مسلم ادب میں اس کا ترجمہ ''لادین'' کر کے ہمارے علماء نے خود ہی غلط فہمی کو جنم دیا۔ ہمارے ہی

Marfat.com

ادب میں بعض نے اس کا ترجمہ ''رواداری'' درست طور پر کیا ہے۔لیکن یہ بحث اضافی ہے۔مغربی حکماء نے واقعی ہی مذہب کو ہدفِ تنقید بنایا اور اُس مذہبی ماحول کو شکست دی جو انسان پر مدار نہیں کرتا تھا مگر وہ اسلام تو نہ تھا، عیسائیت تھی۔

زکوٰۃ گو انفرادی طور پر بھی دی جاسکتی ہے۔لیکن یہ ریاستی نظم میں رکھی گئی ہے۔زکوٰۃ ہر ایک پر واجب نہیں، یہ مال پر واجب ہے جو کسی کے پاس اضافی ہو جاتا ہے۔اضافی مال پر زکوٰۃ محروم طبقات کا حصہ ہے۔اسلام میں معیشت کا یہ بنیادی اصول تھا۔اسی اصول کو آہستہ آہستہ پذیرائی ملی اور غیر مسلم دنیا میں بھی زیادہ مال والوں پر ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اور کم آمدنی والوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔قرآن حکیم میں اس معاملے میں اصول طے کیا گیا:۔

''اور جن کے مالوں میں مانگنے اور محروم کا معلوم حصہ ہے۔'' (سورۃ المعارج-۱)

شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ:۔

''آیت سے صریح اور صاف طریقہ سے ثابت ہے کہ (دوسروں کی) دولت میں غریبوں کا جو حصہ ہے وہ متعین، مقرر، معلوم اور عملاً رائج ہے۔''(۷)

زکوٰۃ چار چیزوں پر واضح ہے:

۔ پیداوار

۔ زمین

۔ جانور

۔ سونا چاندی

اب یہی چیزیں مال و دولت کے معاملات میں مختلف شکلیں اختیار کرتی ہیں۔پیداوار زمینی، صنعتی اور تجارتی ہو سکتی ہے۔زمین کی کم و زیادہ ملکیت کا معاملہ ہے۔جانوروں کی باقاعدہ اقسام کا تذکرہ ہے۔سونا چاندی کی صورت تو بدلتی نہیں۔اب تو بینک اور کاغذی نوٹ نے مال و دولت کا ایک نیا معیار قائم کر دیا ہے اب اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ان سب اشیاء کی ایک حد ہے۔اُس سے زائد پر زکوٰۃ ضروری ہے۔اُس سے کم پر نہیں ہے۔سونا چاندی زیورات کی صورت میں استعمال کیا جاتا رہے تو اُس پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔استعمال نہ ہو اور ایک حد سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

مصارفِ زکوٰۃ:

ترجمہ: ''زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لیے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو، یہ ٹھہرایا ہوا ہے۔ اللہ کا اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔'' (سورۃ توبہ:۹-۶۰)(۸)

اس آیت پاک کی رو سے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں:

۱۔ فقراء۔ جو تنگ دست ومحتاج ہو۔

۲۔ مساکین۔ خوددار غریب آدمی۔

۳۔ عاملین زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کے نظام سے منسلک ہو۔

۴۔ مولفۃ القلوب۔ تبلیغ اسلام کے سائنسی طریقے استعمال میں لانا۔

۵۔ غلامی سے آزادی۔ ماضی میں یہ شخصی غلامی تھی، اب اجتماعی غلامی کے خلاف جدوجہد کرنے والوں سے متعلق ہے۔

۶۔ قرض دار۔ قرض دار جو قرض ادا کرنے میں دقت محسوس کرتا ہو۔

۷۔ فی سبیل اللہ۔ جہاد وقتال کے علاوہ ہر سماجی کام جو محض انسان کی بھلائی کے لئے ہو۔

۸۔ مسافر۔ ماضی کی مسافت تو دنوں، مہینوں اور سالوں کی تھی۔ اب مسافت اور مسافر دونوں کی نوعیت بدل گئی ہے۔ بدلی ہوئی نوعیت میں زکوٰۃ ممکن ہے۔

اکیسویں صدی تک ذرائع زکوٰۃ اور مصارفِ زکوٰۃ میں تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ریاستی معاملات میں زکوٰۃ معاشی قسم میں شمار ہوتی ہے۔ بہت سے مصارف اب موجود نہیں اور یہ اسلام کی نشو ونما کا اصول ہے کہ وہ رفتہ رفتہ انسان کو مسائل سے نکال لے جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ ریاست کے پاس جو زکوٰۃ جمع ہو وہ ہر حال میں آٹھ مصارف میں تقسیم کرے۔ ریاست حسبِ ضرورت ایک ہی مد میں خرچ کر سکتی ہے۔

سماجی تربیت کے دو بنیادی میدان:

۱۔ صحت

۲۔ تعلیم

Marfat.com

یہ فقراء ومساکین کی مد ہے۔تمام ہسپتالوں اور مخصوص تعلیمی اداروں کا نظام زکوٰۃ کے ساتھ منسلک کیا جائے۔یہ کسی حد تک تو ہے مگر امیر نادار، زکوٰۃ کی رقم سے بیرون ملک علاج کے لیے استعمال کرتے ہیں یہ ریاست اور افراد دونوں مصارف زکوٰۃ کے قرآنی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔اسلام میں لوگوں کی فلاح کی بڑی گنجائش ہے مگر یہ ساری گنجائش اُن کے لیے مخصوص ہوگئی ہے۔جن پر زکوٰۃ فرض ہے۔جس پر زکوٰۃ فرض ہے اُس پر زکوٰۃ استعمال ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔

حج اور اطمینان:

حج فرض بھی ہے اور زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ سفرِ حج کے لیے رقم ہو۔اگر زندگی بھر ایسا ممکن نہ ہو تو کوئی سوال پیدا نہ ہوگا۔اس کی اہمیت سماجی بھی ہے اور روحانی بھی۔سماجی یوں کہ انسان/مسلمان مال جمع کرتا ہے۔مسافت اختیار کرتا ہے۔روزمرہ کے امور چھوڑتا ہے۔گھر چھوڑتا ہے۔اُس کی یہ توجہ اُس کے سماجی کردار پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔دوسرا جب حجاز مقدس میں خانہ کعبہ اور پھر سرکارِ مدینہ میں حاضر ہوتا ہے تو خدا کی شانِ جلالیت و جمالیت کی تجلی سے بہرہ مند ہوتا ہے۔یہ تجلی اکیسویں صدی کے ہر انسان کے لیے ایک معجزہ ہے۔البتہ وہاں جانا شرط ہے۔تیسرا دنیا کے ہر خطہ، دنیا کی ہر نسل، دنیا کے تمام رنگوں اور قد والے اور مختلف زبانیں بولنے والے انسانوں میں جا بستا ہے۔کم از کم ایک مسلمان کو جتنا شعور وہاں نصیب ہوتا ہے۔وہ ویسے کم ہی نصیب ہوتا ہے۔چوتھا وہ آفاقی تصور پیدا ہوتا ہے۔جہاں جدید دنیا اکیسویں صدی میں گلوبل ازم کے تصور کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔آفاقیت کا یہ تصور خاتم النبین ﷺ نے ۱۴ صدیاں قبل روشناس کرایا تھا۔

جہاں تک حج کے روحانی پہلو کا تعلق ہے۔بنیادی طور پر یہ سارا عمل روحانی ہے۔انسان گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے جیسے وہ اُسی وقت دنیا میں آیا ہو۔جانے والوں کو اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔جسم جب گناہوں سے پاک ہوگیا تو باقی روح اور روحانیت ہی رہ جاتی ہے۔اگر اطمینان پانا ہے تو حج سے زیادہ کوئی عمل اطمینان بخش نہیں ہے۔

جہاد:

نبوتِ محمد ﷺ مقصدی نصب العین کے تعینات کی ضامن ہے، سماجی تربیت کے خدوخال کی

Marfat.com

سلسل ہدایت ہے، اکیسویں صدی میں انسان کی بے اطمینانی کو اطمینان میں بدلنے پر آمادہ ہے، انسان لوخوف وغم سے نجات دلانے پر جدو جہد کو طاقت دیتی ہے۔ شعور نبوت دراصل مسلسل جدو جہد کا نام ہے، اسلامی ادب وعربی زبان میں اس کو جہاد کہتے ہیں صرف قتال کو جہاد قرار دینا کافی نہیں ہے یہ محض یک پہلو ہے اور ضرورت سے متعلق ہے ورنہ ایک مسلمان کی ساری زندگی جہاد ہے، اسی لیے یہ ارکان اسلام میں شامل ہے۔

جہاد اسلام کا ایک رکن ہے۔ قتال جہاد کا ایک پہلو ہے۔ جو ہر مذہب، ہر قوم میں کسی نہ کسی صورت میں روا رہا ہے۔ یہ ایک مزاحمتی عمل کا ہی حصہ ہے۔ مزاحمت باقی رہنے اور آگے بڑھنے کا لائحہ عمل ہے۔ جہاد محبتوں کو پروان چڑھاتا ہے نفرتوں کو مٹاتا ہے۔ جہاد کوئی پیشہ نہیں ہے کہ تنخواہ لے کر انسانوں کے گلے کاٹنے پر کمر بستہ ہو جاؤ۔ ہماری تاریخ میں مقاصد کے بغیر لڑنے والوں نے بھی جہاد کیا ہے اور مقاصد کے تحت بھی جہاد کیا ہے اور اکیسویں صدی میں آکر جہاد اور فساد میں تمیز باقی نہیں رہی۔ یہ ہمارا جہاد ہے یا فساد، اس کا مقاصد نبوت ﷺ سے کوئی تعلق بنتا نظر نہیں آتا ہے۔ جہاد کی وضاحت یوں ممکن ہے:۔

جہاد ایمان کا حصہ ہے۔

جہاد اسلام کا اہم رکن ہے۔

جہاد کا مطلب محض قتال نہیں ہے۔

جہاد کا معنی جدو جہد اور کوشش ہے۔

جہاد ایک مزاحمتی عمل ہے۔

جہادی مزاحمت نفس کی منہ زوری کے خلاف ہے۔

جہادی مزاحمت ناجائز کمائی کے خلاف ابھارتی ہے۔

جہاد قلم اور علم کے ذریعہ سب سے افضل گردانا گیا ہے۔

جہاد، ہر بُرائی سے اجتناب اور ہر اچھائی کے لیے کوشش ہے۔

جہاد، ایمانی ومقصدی نصب العین کو بے سمتی اختیار کرنے سے بچاتا ہے۔

Marfat.com

جہاد، اُن رکاوٹوں کو دور کرنا ہے جو حُسن مطلق کے راستے میں آئیں۔

اور قرآن کے مطابق:

''ہم نے ہر نبی کے واسطے ایک دشمن اُنہی میں سے پیدا کیا ہے۔'' (الفرقان ۲۵:۳۱)

یہ قانونِ قدرت ہے کہ حق کا اظہار ہو اور پھر اُس کی مزاحمت ہو۔ حق کی طرف سے بھی مزاحمت ہو یعنی باطل مزاحمت کی مزاحمت، حق کی طرف سے ہوتا کہ حق کا حق ہونا ثابت ہو۔ انسان کو حق کی تصدیق حاصل ہو۔ یہی مزاحمت کی مزاحمت سے آخری مرحلہ ''قتال'' یعنی دو بدو لڑائی کا آتا ہے۔ اسی مرحلے کو قتال کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاد اور قتال کو الگ الگ اسی لئے بیان کیا گیا تا کہ یہ واضح رہے کہ جہاد، قتال کا نام نہیں ہے بلکہ تصب العینی مزاحمت کا نام ہے جب کہ ہر قتال جہاد نہیں ہے بے شک مسلمان ہو کر دوسروں کا قتال کرے۔ جہاد، بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے اس کے مقابلے میں قتال کا ایک ہی معنی ہے کہ قتل کرو یا قتل ہو جاؤ مگر ناحق نہیں۔

قتل کرو یا قتل ہو جاؤ کا الٰہی و نبوی حکم بظاہر بہت عجیب لگتا ہے خصوصاً جب انسان اکیسویں صدی میں اعلیٰ سطحی شعور کا مالک شمار ہوتا ہے۔ مگر خالقِ جہاں کی منشاء کیا ہے؟

- کہ ہم نے ہر نبی کے واسطے ایک دشمن پیدا کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مزاحمتی نقشہ منشاء خداوندی ہے۔
- یہ کہ اللہ انسان کو ایک دوسرے کے ذریعے دور کرتا ہے یا مٹاتا ہے۔
- صبح ازل میں شیطان نے سرکشی کر کے انسان کو بہکانے کی ذمہ داری لے لی۔ کیا یہ منشا خداوندی کے برعکس ممکن ہے؟
- انسان، انسان کے ہاتھوں قتل ہوتا آیا ہے اور ہو رہا ہے۔ کیا یہ سب منشا خداوندی کے خلاف ہے؟
- اکیسویں صدی کا چوٹی کا باشعور سائنسدان دوسرے انسان یا قوم کو مٹانے کے لیے خوفناک ہتھیاروں کی ایجاد میں لگا ہے۔ منشا خداوندی کا کیا یہ کوئی تقاضا ہے؟

Marfat.com

- انسان نے دنیا تو بہت مسخر کر لی مگر انسان کے اندر انا کے بت کو قابو نہ کر سکا۔ برطانیہ، امریکہ اور یورپ مسلمانوں کو مارتے ہیں تو یہ جان کر نہیں کہ یہ بھی انسان ہی ہے جو مرتا ہے۔ یہ باشعور انسان آخر ایسا کیوں کرتا ہے۔
- مسلمان زندگی کو قربان کر کے ہر وقت مرنے کے لیے تیار کیوں رہتا ہے۔ یہی وہ راز ہے جو حقیقی سمت کے لیے مزاحمت، جہاد اور قتال میں پنہاں ہے اور وہ ہے:۔

''اطمینان''

آج انسانیت اُس سطح پر ہے کہ وہ محسوس کرے کہ ایک شخص کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ اسلام کا یہی پیغام تھا اور ہے۔ مسلمان جہاد کے نام پر کسی کو بلا وجہ گروہی مقاصد کے لیے مگر اسلام کے نام پر قتل کرتا ہے وہ بھی انسانیت کو قتل کرتا ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو۔ اسی طرح غیر مسلم دنیا اپنی انا و معاشی ضرورت کے لیے اپنی وطنی حدود سے باہر انسانوں کو قتل کرتی ہے تو یہ بھی قتل ناحق ہے۔ ناحق کے خلاف بعض اوقات غیر منظم مزاحمتی ردعمل سامنے آجاتا ہے اور پھر جہاد اور فساد آپس میں اکھٹے ہو جاتے ہیں اور اطمینان باقی نہیں رہتا جو اس کا کم از کم ایک مقصد تو ہے۔ اسلامی جہاد کا معیار ''اطمینان'' ہے، بگاڑ اور بے اطمینانی نہیں ہے۔ جدید دنیا میں علم و نفسیات بہترن ہتھیار ہیں۔ جہاد انہی کے ذریعے ہو تو انسان قتل ہونے سے بچ سکتا ہے۔

سماجی اہداف کا آخری اعلان۔ خطبہ حجتہ الوداع:

خطبہ حجتہ الوداع انسان کے سماجی اہداف کا تعین کرتا ہے۔ فرائض نبوت کی وضاحت ہے اور شعورِ نبوت کا نصب العین ہے۔ یوں تو قرآن حکیم اور پوری سیرت رسول ﷺ شعورِ نبوت کا نصب العین ہے۔ آخری نبی ﷺ کا آخری حج تھا اور حج کی نسبت سے بھی اور اپنی نسبت سے بھی یہ آخری پیغام تھا۔ (۹)

ا۔ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں:

لاالٰہ الّا اللّٰہ' وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک و لہ الحمد یحیی ویمیت و ھو علی کل شیءٍ قدیر۔ لا الہ الا اللّٰہ وحدہ انجز وعدہ نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ. (۱۰)

Marfat.com

اس جُز میں دوررس سماجی پیغام ہے۔

- خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔
- وہ واحد ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔
- کائنات اُس کی ہے۔
- عظمت اُس کی ہے۔
- وہ زندگی دیتا ہے۔
- وہ موت دیتا ہے۔
- کائنات کی ہر شئے پر قادر ہے۔
- وہ اکیلا خدا ہے دوسرا کوئی خدا ہے ہی نہیں۔
- اُس نے کامیابی کا وعدہ دیا اور پورا کر دکھایا۔

تمام انبیاء کا یہی پیغام تھا جو وہ اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کو دیتے رہے۔ اجتماعی ذہن بتدریج بنتا رہا، انسان خدا کو کم وبیش مانتا رہا اور اپنی انفرادی زندگی، اجتماعی زندگی کے لیے قربان کرتا رہا اور زمانہ آخری نبی کا آ گیا۔ آخری نبی ﷺ نے سابقہ پیغام کو جدید انداز سے لوگوں تک پہنچایا اور تکمیلی فریضہ پورا کیا۔ خدا ایک ہے گویا انسانیت نے پہلا سبق مکمل یاد کر لیا، اب اگلا سبق تھا کہ خدا کو ڈھونڈو، تلاش کرو، دریافت کرو، جستجو کرو۔ آخری نبی ﷺ کا یہی بڑا فریضہ تھا جو انہوں نے ادا کیا۔

اکیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے انسان خدا کی تلاش و پہچان میں بہت بااعتماد ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ کا تکمیلی پروگرام ہی تھا جو انسان اختیار کیے ہوئے ہے۔

۲۔ شعورِ نبوت کی تصدیق:

قفوا علی مشاعر کم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم۔(۱۱)

ترجمہ: اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم جدامجد ابراھیمؑ کی وراثت پر ہو۔

عرفہ یا عرفات وہ میدان ہے جہاں حاجی قیام کرتے ہیں اور یہ حضرت ابراہیمؑ کا یادگار عمل ہے جسے جاری رکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا کا سلسلہ ایک ہی مقصد کو آگے بڑھانے کا سلسلہ ہے۔

Marfat.com

یہی شعورِ نبوت ہے جو انبیاء اور پھر انسانوں کے ذریعے بتدریج آگے بڑھا ہے اور آج یہی شعورِ نبوت اکیسویں صدی میں کامیابیوں کا ضامن ہے۔

۳۔ جاہلیت کے خاتمے کا فیصلہ کن اعلان:

الا کل شئی من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع (۱۲)

ترجمہ: ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔

''جاہلیت'' کا لفظ قابلِ غور ہے:

- یہاں جاہلیت سے کیا مراد ہے؟
- کیا جاہلیت سے مراد رسوم و رواج ہیں۔
- کیا جاہلیت سے مراد خدا کے ساتھ مشرک یا شرکت کا تصور تھا۔
- کیا جاہلیت سے انفرادی سود کی رسم کا خاتمہ ہوا تھا؟
- کیا جاہلیت سے مراد محض خون معاف کرنا مراد تھا؟
- کیا جاہلیت سے مراد ایک دور کے خاتمے کی بات تھی اور نئی دنیا کی نوید تھی؟
- کیا جاہلیت سے مراد انسان کے کم شعور کے خاتمہ اور اُس کے باشعور ہونے کا اعلان ہے؟

یہ اور اس طرح کے کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے تمام انبیاء کو خود تسلیم کیا اور مسلمانوں کے ایمان کا حصہ بنایا، اس لئے شعورِ نبوت کے ارتقاء کو جہالت قرار دینا قرین قیاس نہیں ہے۔ دوسرا آپ ﷺ نے مدینہ اور پھر مکہ اور پھر جہاں تک اسلامی سلطنت جا چکی تھی، تمام فرسودہ رسوم و رواج کی نشاندہی کے ساتھ خاتمہ کر دیا تھا۔ یقیناً یہ جُملہ مقامی سطح کی تبدیلیوں سے بہت اوپر کی بات ہے۔ یہ جملہ سابقہ ساری انسانی کوشش اور ارتقاء کو ایک فیصلہ کن موڑ اور سوچ دینے کا ہے۔ اور اس کے ساتھ آئندہ کے لیے کسی فیصلہ کن نصب العین کی نشاندہی سے وابستہ ہے۔ بیچ میں ۱۴ صدیاں بھی گزر چُکی ہیں اور ہم یہ فقرات درج کرنے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں اور غور و فکر سے یوجوہ اجتناب کرتے ہیں خدا نے مجھے جو سمجھنے کی توفیق بخشی ہے، وہ بیان کروں گا البتہ دوسرے اہل نظر کو سوچنے کی دعوت بھی دوں گا۔

Marfat.com

خدا کی وحدت و یکتائیت کا انسانی تصور مکمل نہیں ہو پا رہا تھا۔ انسان اس وحدت و یکتائیت میں کہیں نہ کہیں کسی اور عنصر کو شریک کر لیتا تھا اور پھر تذبذب کا شکار ہوتا تھا کہ خدا ایک ہے تو بھی اس کا کوئی مددگار یا شریک ہو سکتا ہے۔ عیسیٰؑ آپ ﷺ سے قبل نبی تھے اُن کی پیدائش غیر معمولی انداز میں ہوئی تو یہ تصور آگے بڑھنے لگا کہ شائد خدا، انسان کی طرز پر ہی بڑا انسان ہے۔ آپ ﷺ کا کارنامہ یہ ہے:

- کہ خدا کے واحد اور یکتا ہونے کے تصور کو پوری طرح واضح و آشکار کر دیا جو قبل ازیں ایسے آشکار نہ تھا۔ شرک کے تمام راستے باقاعدہ نشاندہی کے بعد بند کر دیئے۔
- دوسرا نبوت کے اختتام اور فریضہ نبوت انسان کے سپرد کرنے کا کائناتی فیصلہ تھا کہ انسان اب مکمل تصور خدا کو پا چُکا ہے اب اُسے خدا کو دریافت کرنا ہے۔

۴۔ انسانیت کی تعریف اور انسان کے نام پیغام - ایک کائناتی مقصد:

ایھاالناس ! الا ان ربکم واحد ، وان اباکم واحد، الا لا فضل اللعربی علی عجمی ، ولا اللعجمی علی عربی ، ولا حمر علی اسود، ولا لا سود علی احمر الا بالتقویٰ .(۱۳)

ان کل مسلم اخوالمسلم وان المسلمین اخوة.(۱۴)

ارقا کم ارقاء سم طعموھم مما تاکلون و اکسو ھم مما تلبسون . (۱۵)

ترجمہ: لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ تمہارے غلام، تمہارے غلام ہیں جو خود کھاؤ، وہی اُن کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی اُن کو پہناؤ۔

- انسان کے نام کائناتی و آفاقی پیغام دیا جو پہلے نبی و پہلے انسان نے بھی دیا اور جو آخری نبی ﷺ نے بھی دیا اور جس کو اکیسویں صدی میں بھی انسان لے کر آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ کہ خدا ایک ہے۔ رب ایک ہے اور تصدیق کی کہ تمہارا باپ یعنی جہاں سے نسل کا آغاز ہوا، ایک آدم تھا۔

Marfat.com

- پوری انسانی دنیا کو دو حصوں میں بیان کیا جانے لگا تھا اور یہ عربی زبان کی بنیاد پر تھا۔ ہر علاقہ، ہر نسل اور ہر زبان کو دوسروں پر فوقیت رکھنے کا ایک فطری رویہ موجود تھا جو آج بھی موجود ہے۔ آپ ﷺ نے اس مسئلہ کو انسانیت سے جوڑ دیا۔ قرآن عربی زبان میں آنے سے عربی زبان کو اور عظمت ملی اور جن علاقوں میں یہ بولی جاتی تھی وہ اہل زبان اور باقی بے زبان کہلائے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے سابقہ دور کے اس رویے کو انسانیت کے مغائر جانا اور نسل، زبان اور رنگ کی بنیاد پر بزرگی یا عظمت کو مسترد کر دیا اور تقویٰ معیار فضیلت ٹھہرا۔
- ایک کائناتی و آفاقی مقصد کی پیروی یا محمد مصطفےٰ ﷺ کی اُمت میں شامل ہو جانے کے بعد ہر مسلمان کا رشتہ دوسرے مسلمان سے بھائی کے رُتبے کا ہو جاتا ہے چاہے وہ کہیں پیدا ہوا ہو، کسی نسل، کسی زبان، کسی رنگ کا ہو۔ دراصل یہ ایک خدا، ایک باپ (آدمؑ) ، ایک نبی ﷺ کو سمجھنے کی کنجی ہے۔ یہی سماجی اہداف اصولی لحاظ سے اکیسویں صدی میں بھی زیر بحث ہیں اور اجتماعی انسانی ضمیر ان اہداف کو قبول کرتا ہے۔
- سماجی مساوات کا اپنے گھر سے آغاز کرنے کا حکم دے دیا۔

مساوات ایک توازن اور عمل کا نام ہے۔ آپ ﷺ کے دور تک انسانوں کی خرید و فروخت کا رواج چلا آ رہا تھا۔ مردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈی کہا جاتا تھا۔ پسا ہوا طبقہ شائد انہی لوگوں کے لیے تھا۔ آپ ﷺ نے اس غیر انسانی عمل کے خلاف جہاد کیا اور کئی ذرائع سے اس کے خاتمے کے لیے احکامات دیئے۔ آخری پیغام میں بھی یہ نہ بھولے اور فرمایا کہ جو خود کھاؤ اور پہنو، وہی غلاموں کو دو تا کہ انسان کے کم تر ہونے کا احساس پیدا نہ ہو۔ اکیسویں صدی تک شعور نبوت کی روشنی میں غلامی کا قلع قمع ہو گیا البتہ طبقاتی تقسیم اب بھی باقی ہے جسے ختم کرنا، اجتماعی انسانی ضمیر کی ذمہ داری ہے۔

۵۔ جنگ و جدل اور انتقام عظمت انسان سے ہم آہنگ نہیں ہے:

ودماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقامی خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے

Marfat.com

(اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔(۱۶)

انسان، انسان سے لڑتا ہے۔ یہاں سماج میں کسی سماجی علت و وجہ سے لڑنا مراد ہے۔ اُس دور میں عمومی طور پر قبائلی نظام رائج تھا۔ خاندان و قبائل تحفظ ذات، عزت اور مال کے محافظ ہوتے تھے۔ ایک سماجی غلطی قبائل اور خاندان کے درمیان تنازع اور پھر بات جنگ و جدل تک پہنچ جاتی تھی اور کسی فریق کا کوئی قتل ہو جائے تو معاملہ زیادہ سنگین ہو جاتا تھا اور پورا سماج حالت جنگ میں ہو جاتا تھا۔ یہ کیفیت سماجی ترقی کی رہ میں بڑی رکاوٹ بن جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے اس رکاوٹ کی نشاندہی کی، سابقہ تمام معاملات کو یکسو کیا اور آئندہ کے لیے اس طرح کے معاملات ریاست کے سپرد کر دیئے تا کہ سماج افراتفری کا شکار نہ ہو۔

۶۔ تمام انفرادی سود اور سودی نظام باطل۔ استحصال ختم:

وربا ء الجاهلية موضوع و اول ربا اضع من ربائنا ربا عباس بن عبدالمطلب (۱۷)

(جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔)

حصول زر کا طریقہ یا اقتصادی نظام ہر سماج کا لازمی حصہ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس میں موجود اُن خرابیوں کی نشاندہی کی۔ استحصال وہ علت تھی جس کی بنا پر انسان کو ہدایت دی گئی۔ حقوق اللہ کی نشاندہی بھی کی مگر حقوقِ انسانی پر بہت زور دیا۔ سود عرب میں بھی رواج پذیر تھا اور باقی دنیا میں بھی۔ اجتماعی سطح پر ریاستیں زیادہ منظم نہ تھیں۔ انفرادی و شخصی سطح پر زری سود یا کئی دوسری صورتوں میں رواج پذیر تھا۔ آپ ﷺ نے سود کی تمام انفرادی و شخصی صورتوں کو باطل و موقوف کر دیا۔ بطور مثال اپنے خاندان کے فرد کا سود معاف کر دیا۔

بنیادی طور پر یہ دور رس اور گہرا پیغام تھا کہ غربت کی بنیاد پر استحصال غیر انسانی فعل ہے۔ زکوٰۃ، صدقات، خیرات، جزیہ اور قرض حسنہ کو رواج دینے کی نشاندہی کی۔ سود جدید اقتصادی نظام میں بھی آغاز میں زیر بحث رہا جو ریاستی یا ریاست کے زیر سایہ کمپنی کے ماتحت تھا۔ طویل بحث و تجربہ کے بعد ایک ریاستی نظام قائم ہوا جس میں آج بھی استحصالی روش کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ مسلم دنیا اب بھی

Marfat.com

ریاستی سطح پر اعتماد نہیں پاتی اور تذبذب کا شکار ہیں۔

۷۔ عورت کی تعظیم-ایک گہری تبدیلی کے لیے واضح اعلان:

فاتقوا اللّٰہ فی النساء (۱۸)

ترجمہ: عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔

ان لکم علی نسائکم حقا و لھن علیکم حقا ۔(۱۹)

تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

عورت کے مقام و مرتبہ اُس کی سماجی حیثیت کے متعلق آپ ﷺ نے ایک خاص حکمت عملی سے مردوں کو ذہنی طور پر تیار کیا۔ آخری پیغام میں بھی عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرنے کی تلقین کی اور یہ واضح کیا کہ عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں اور ایسے ہی مردوں کے حقوق ہیں۔

عورتیں، مردوں کے مقابلے میں فطری طور پر مختلف اور کمزور واقع ہوئی ہیں۔ اس لیے مردوں سے مخاطب ہو کر تلقین کی گئی۔ عورتوں کے حقوق کے متعلق بازگشت اکیسویں صدی میں بھی کم نہیں ہوئی ہے۔ مغربی ممالک میں عورتوں کے حقوق کے لیے، قانون سازی بھی کی گئی ہے۔ مسلم ممالک میں قانون سازی کم کی گئی ہے البتہ رشتوں کی قدریں مضبوط ہیں۔ اس معاملے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے جبکہ مغربی ممالک میں عورت نسوانیت کھو رہی ہے جسے بچانا عورت کے لیے مفید ہے۔

۸۔ قتلِ ناحق اور دوسروں کا مال حرام ہے:

ان دمائکم و اموالکم علیکم حرام کحرمۃ یو مکم ھذا فی شھر کم ھذا فی بلد کم ھذا الیٰ یوم تلقون ربکم ۔(۲۰)

ترجمہ: تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔

مقامی طور پر اور دنیا کے اُس وقت کے سماج میں مال لوٹنا تو معمول تھا ہی مگر جان کی بھی کوئی قیمت نہ تھی۔ آپ ﷺ نے جان اور دوسرے کے مال کے تقدس کو حجتہ الوداع کے دن اور مکہ کی طرح حرمت دے دی۔ شعورِ نبوت کا مقصد انسان کو یہ شعور دینا تھا کہ انسانی جان کیسے قیمتی ہے۔ جان کی

Marfat.com

اہمیت تو اہم ہے ہی، سماجی ترقی میں بھی قتل کا ردِ عمل انتشار کی صورت میں برپا ہو کر رکاوٹ بنتا ہے۔ اسی طرح دوسرے کا مال کسی بھی طریقے سے حاصل کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ انسان کو ان دو امور میں دور رس پیغام دیا گیا کیونکہ یہ دونوں امور انسانی فطرت کا حصہ ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جان کی اہمیت انسان ۱۴ صدیوں بعد بھی پوری طرح نہ جان سکا ہے اور نہ قتل روک سکا ہے۔ جبکہ دوسروں کا مال لوٹنا اب بھی معمول ہے۔ نقاب پوش بھی لوٹتے ہیں اور بے نقاب بھی لوٹتے ہیں۔ یہ عادت انسان کی فطری بھی ہے اور سماجی بھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد جان و مال کی اہمیت کو انسان پر واضح کرنا تھا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام اچھی بُری ریاستیں جان و مال کے تحفظ پر معرض وجود میں آئی ہیں۔ معاہدہ عمرانی کا جدید تصور ہی اس بنیاد پر ہے کہ عوام جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے لیے اپنا حق اختیار ریاست کے لیے چھوڑتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے چارٹر میں یہ اہم ترین شق ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جن نکات کی اہمیت کو اُجاگر کیا وہ آج انسانی شعور کا حصہ ہیں۔ یہی وہ اہم بات ہے کہ سماجی اہداف میں یہ نکات آج اکیسویں صدی میں واضح اہمیت کے حامل ہیں۔

۹۔ قرآن حکیم دستور انسانیت ہے:

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصتم بہ کتاب اللّٰہ ۔ (۲۱)

(میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ کیا چیز ہے کتاب اللہ۔)

آخری اعلان اور انسانیت کے نام عظیم پیغام۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ نبی کا سماجی پس منظر ضرور ہوتا ہے مگر اُس کے پیغام کا پس منظر محض اور محض الوہی و الٰہی ہوتا ہے اُس کا پیغام محض اور محض انسان اور اُس کے مستقبل کے لئے ہوتا ہے۔ عام انسان کتنا ہی بڑا عالم و حکیم ہو گا اُس کا ایک علمی و فکری پس منظر ہو گا بے شک الہام حاصل کرنے کی سطح پر بھی پہنچا ہو۔ مسلم و غیر مسلم کو یہ جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ نے روایتی لکھنے پڑھنے کی تعلیم حاصل نہ کی تھی اس کے باوجود قرآن حکیم اور اُس کی وضاحت میں حدیث کا ایک وسیع ذخیرہ چھوڑا ہے تو یہ سارا پس منظر غیر معمولی ہے۔ اُس کے ساتھ یہ بھی غیر معمولی بات ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں قرآن حکیم ہی دنیا کی سب سے نمایاں کتاب

Marfat.com

رہی اور اکیسویں صدی میں بھی اس کی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔

اسی خطبہ میں آگے وراثت، نسب، قرض وغیرہ کے مختصر احکام دیے۔ جن کو شبلی نعمانی نے صحیح بخاری، ابوداؤد کے حوالے سے بیان کیا۔

سماجی تربیت کے تعینات اور اکیسویں صدی کے سوالات:

اکیسویں صدی کے بتکرار سوالات کو یوں الفاظ کا روپ دیا جا سکتا ہے:۔

اوّل: محمد رسول اللہ ﷺ نے ساتویں صدی عیسوی میں جس پیغام کی روشنی میں انسان کی مادی وروحانی طرز کی جو تربیت کی تھی، کیا وہ اکیسویں صدی میں ممکن ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فطرت کے اصول نہیں بدلتے، تخلیقِ کائنات کے مقاصد میں تبدیلی ممکن نہیں ہاں البتہ انسان کا شعور جتنا ترقی کرتا جاتا ہے، اُس کی زندگی کے تقاضے اور اس کی تربیتی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ انسان کا ایک مقصد ہے اور وہی اُس کا نصب العین ہے۔ اُس کے حصول کے لیے وہ تربیت پاتا ہے اور جدوجہد کرتے پھر اگلی صدی اور اگلی صدیوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ انفرادی انسانی جدوجہد معاشرتی روپ دھار کر اجتماعی جدوجہد بن جاتی ہے۔ انفرادی و اجتماعی جدوجہد کا پیغام، خاکہ اور لائحہ عمل کا بندوبست قدرت نے انبیاء کے ذریعے بھیجا اور پھر انسان ہر دور میں اُس پیغام، خاکہ اور لائحہ عمل کا نئے سرے سے نئے تقاضوں کے مطابق انہیں بنیادی اصولوں کے مطابق جائزہ لیتا ہے۔ محمد مصطفےٰ ﷺ کی مادی وروحانی تربیت کا مقصد ایک ایسا معاشرہ و ریاست قائم کرنا تھا جو روحانی الذہن ہو، نصب العینی ہو، انسانوں کی مادی ترقی کا ضامن ہو، جان، مال اور عزت کے تحفظ کی صلاحیت رکھتا ہو، انسان کی صلاحیتوں کو آزادانہ نشوونما کا موقع فراہم کرتا ہو۔ چھٹی صدی عیسوی سے مسلم معاشروں و ریاستوں اور دوسری طرف غیر مسلم معاشروں و ریاستوں میں یہی پیغام و نصب العین کسی نہ کسی انداز میں آگے بڑھ کر اکیسویں صدی میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ لازم نہیں ہے کہ غیر مسلم دنیا کے دانشور پیغام و نصب العین کے اس ارتقاء کو جوڑ کر بیان کریں۔ اس حقیقت کو بیان کرنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ غیر مسلم دانشوروں میں بعض مذاہب کے رول کو نمایاں کرتے آرہے ہیں مگر علم جدید مذاہب کا تذکرہ بیان کیے بغیر اس ساری کامیابی کو محض انسان کی کاوش اور نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اسے جدید اسلوبِ بیان کہا جا سکتا ہے

Marfat.com

۔گزشتہ چند صدیاں عقل وسائنس کی صدیاں ہیں۔عقل وسائنس کا اپنا ایک تاثر اور اثر ہے۔وہ ماضی کی تاریخ کا تذکرہ بھی اپنے اسلوب سے کرتا ہے مگر ایسے میں ماضی کے تمام کردار اپنی جگہ پر کردار ادا کر چکے ہیں اور وہ کردار کسی نہ کسی صورت میں اکیسویں صدی کو متاثر کرتے آئے ہیں۔اس سے حقیقت بدلتی نہیں،اپنی جگہ پر قائم ودائم ہے۔

دوم: نبی آخر الزماں محمد مصطفےٰ ﷺ نے انسانیت کے لیے جو مقاصد متعین فرمائے تھے اکیسویں صدی کی تبدیل شدہ دنیا میں کیسے مؤثر ہو سکتے ہیں؟

اکیسویں صدی میں بھی بنیادی اصول وہی ہیں جو تمام انبیاء سمیت آخری نبی محمد رسول ﷺ نے متعین فرمائے تھے اور تربیتی نظم دیا تھا۔ میثاقِ مدینہ اور حجۃ الوداع میں رسولِ رحمت ﷺ نے جن آفاقی اصولوں اور اُن کے مطابق آفاقی معاشرے اور ریاست کا پیغام دیا تھا وہی بالآخر مسلم وغیر مسلم انسانوں کے ذہنی ارتقاء کا معلوم ونامعلوم طور پر حصہ بنتے بنتے اقوامِ عالم کا دستور العمل بنا جو ''انسانی حقوق کے چارٹر کے طور پر دنیا کے ہر انسان، ہر قوم اور ہر ریاست کا نصب العین قرار دیا گیا اور اسے ہر ریاست نے باقاعدہ اپنے دستور کا قانونی حصہ قرار دیا ہے اور ہر فرد، ہر معاشرے، ہر قوم اور ہر ریاست کا آئینی وقانونی فریضہ قرار دے کر اکیسویں صدی میں انسانی تربیت کے نظام کو قانونی شکل دی ہے۔ گزشتہ مقالہ میں یہ دستاویزات درج کی گئی ہیں اور اُن کا تقابلی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

سوم: اکیسویں صدی کے انسان کی ضرورت اور ساتویں صدی کے انسان کی ضرورت میں کوئی فرق پیدا ہوا ہے؟

عصری بے اطمینانی سماجی ترقی وتربیت میں ایک گونہ وجہ اضطراب بنی ہوئی ہے۔مادی ترقی بلاشک وشبہ بلند درجہ پر ہے اور یہ ترقی کسی طور تعیناتِ نبوت محمد ﷺ کے خلاف یا متوازی نہیں ہے۔تمام انبیاء کی آرزو بھی انسان کی مادی، اخلاقی اور شعوری ترقی رہی ہے۔سوال اکیسویں صدی میں بہت سے حاصلات کے باوجود بے اطمینانی کا ہے۔ساتویں صدی عیسوی میں انسان ایک تبدیلی سے گزر رہا تھا۔ سابقہ انبیاء کا دفترِ نبوت ختم کیا جا رہا تھا اور محمد مصطفےٰ ﷺ کی نئی نبوت جگہ لے رہی تھی۔لوگوں کے لیے نبوت وعقائد کی تبدیلی کا مسئلہ تھا۔ مادی وشعوری ترقی کا بھی نئے سرے سے آغاز تھا۔نئی نبوت نے

Marfat.com

جہاں لوگوں کو تازہ جدو جہد کا پیغام دیا وہاں مادی وشعوری ترقی کے راستے بھی دیئے مگر سب سے اہم بات لوگوں کو نیا مقصدی نصب العین دے کر اطمینان کی دولت سے بھی نوازنا تھا۔

اکیسویں صدی کا انسان اپنے بڑے بڑے حاصلات کے دوران اپنا اطمینان گم کر بیٹھا ہے۔ عصری انسان اطمینان کی نئے سرے سے تلاش کا خواہاں ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اطمینان کی دولت، روحانیت میں ہے اور سچی روحانیت محمد مصطفےٰ ﷺ کی پیروی میں ہے۔

چہارم: آپ ﷺ دوبارہ براہِ راست اور پوری طرح اکیسویں صدی کے انسان کی رہبری کیسے کر سکتے ہیں؟

اکیسویں صدی کا انسان بلند شعور کا مالک ہے۔ عقلی وسائنسی علوم نے دلیل و برہان کی فضا قائم کر رکھی ہے۔ انسان کائنات کی تسخیر کے دوران بہت سی تصدیقات حاصل کر چکا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ساری عقلی وسائنسی جدو جہد اور تصدیقات تو سچ وحقیقت کی تلاش کے ضمن میں ہیں۔ انسان کائنات کے پوشیدہ خزانے باہر نکال رہا ہے۔ انسان اپنی حقیقت کو بے نقاب کرنے پر کمر بستہ ہے۔ انسان اُس حقیقت تک پہنچنے کی کوشش میں ہے جو کائنات وانسان کی خالق ہے۔ یہ تمام انبیاء و نبی آخر ﷺ کے جاری شعور نبوت کا ہی نتیجہ ہیں۔

انسان کی جستجو کے مذکورہ ان تین میدانوں کے حاصلات کو نبی آخر محمد ﷺ نے ایک مرکز ومحور یعنی ایک خدا سے جوڑا تھا۔ انسان نامعلوم انداز میں ان تینوں میدانوں کی ایجادات پر نازاں ہے۔ انسان کو ناز کرنے کا پورا حق ہے۔ اب جدید انسان اُس موڑ پر ہے کہ وہ نامعلوم سے معلوم کی طرف جائے اور حقیقت کو پائے۔ آگے بڑھنے کے اُس کے میدان یہی رہیں گے۔ وہ مادیت کی تسخیر کے کناروں تک پہنچ چُکا ہے۔ اور نامعلوم سے معلوم کی طرف وہ مادی ساز وسامان کے ساتھ محوِ سفر ہے۔ اسی سے وہ حقیقت پائے گا۔ البتہ اس موقع پر اُسے جس ہدایت وشعور کی ضرورت ہے وہ اُسے خاتم النبین ﷺ سے میسر ہو سکتی ہے۔ انسان مادیت کے ہتھیاروں سے غیر مادی حقیقت پانے کی راہ پر ہے۔ یہ حقیقت اصل کائنات یعنی خدا ہے۔ خدا کو پانے کی راہ انبیاء سے گزرتی ہے اور سلسلہ انبیاء کی آخری اور مستند کڑی محمد مصطفےٰ ﷺ ہے۔ اسلام کے مطابق عبادت اور درود شریف کے ورد سے

Marfat.com

آپ ﷺ سے روحانی اتصال میں آج بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ براہِ راست اتصال اور اطمینان کا یہ راستہ بھی موجود ہے۔ انسان سو فیصد دنیاوی و مادی بھرپور سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے بھی محمد مصطفےٰ ﷺ سے براہ راست روحانی اتصال میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ انشاءاللہ

حواشی

۱۔ یہ عمومی معاشرت کی یا سماجی تربیت کی بات ہے اور آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ مقصد و نصب العین ایک خدا کا تصور ہے اور تمام انبیاء و صحیفہ جات اسی لیے آئے ہیں۔

۲۔ مسلم شریف، باب الایمان

۳۔ والذین یدعون من دُونِ اللہِ لا یخلُقونَ شیأً وَ ھُم یُخلَقُون۔ اور اللہ کے سواء جن کو پوجتے ہو، وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوتے ہیں۔ (سورۃ النحل: ۱۶-۲۰)

۴۔ بخاری شریف، باب نماز

۵۔ جامع ترمذی، تفسیر سورۃ الفاتحہ، اس کے علاوہ مسند، احمد دین حنبل جلد۲، ص۴۶۰ پر ہے۔

۶۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، جلد:۵، ص ۱۰۲

۷۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، جلد۵، ص۲۲۹

۸۔ ترجمہ آیت احمد رضا خان، ''کنزالایمان''

۹۔ خطبہ حجتہ الوداع سیرت کی کتب میں درج ہے لیکن عبارت کہیں مکمل درج ہے اور کہیں کم۔ علامہ شبلی نعمانی کے مطابق جملے کسی حدیث میں یکجا نہیں ہیں، اس لیے ان کو مختلف مآخذوں سے جمع کرنا پڑتا ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم کے باب حجتہ الوداع و باب الدیات اور ابوداؤد کے باب الاشھر لحرام و حجتہ النبی ﷺ وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوامامہؓ، حضرت جابرؓ، جیسے صحابہ کی روایتوں سے مذکور ہے۔ ان روایتوں میں بعض مشترک باتیں ہیں اور بعض مختلف ہیں۔ شبلی نعمانی کے مطابق آپ ﷺ نے اس سفر حج میں تین مرتبہ خطبہ دیا اس لیے بعض روایات میں تکرار ہے اور بعض میں الگ جملے درج ہیں۔ ص: ۱۹۰، ''سیرت النبی ﷺ'' شبلی نعمانی۔

۱۰۔ ابوداؤد، بحوالہ: شبلی نعمانی۔

۱۱۔ صحیح بخاری باب الوقوف۔

۱۲۔ صحیح مسلم و ابوداؤد موضع الوقت۔

Marfat.com

۱۳۔ مسند احمد

۱۴۔ مستدرک حاکم جلد ۱، ص:۹۳

۱۵۔ ابن سعد

۱۶۔ صحیح مسلم، ابوداؤد

۱۷۔ صحیح مسلم، ابوداؤد

۱۸۔ صحیح مسلم وابوداؤد

۱۹۔ طبری، ابن ہشام

۲۰۔ صحیح بخاری و مسلم وابوداؤد

۲۱۔ صحاح

Marfat.com